هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ

اردو زبان میں سورۂ عصر پارۂ قرآن حکیم کی بے مثال تفسیر

معارف القرآن

جس میں

نہایت جامع اور محاکمانہ طریقے پر سورۂ ''والعصر'' کی تفسیر بیان
کی گئی ہے اور اسکے ضمن میں عقائد اسلامی پر مبسوط و مدلل تبصرہ
کیا گیا ہے نیز بعض مباحث و مسائل شریعت بھی سلیس عبارت میں
درج کئے گئے ہیں

مصنفہ

مولانا مولوی محمد زاہد القادری صاحب (اترولوی)
مدیر ''الہلال'' دہلی

ہلالی پریس دہلی میں [illegible] حسین کے اہتمام سے طبع ہوا
۱۹۳۳ء

اظہار عقیدت

میں اپنی اس تالیف کو نہایت خلوص اور عقیدت کے ساتھ اپنے مقتدائے شریعت وطریقت قدوۃ المکرم استاذی المحترم اعلیٰحضرت عظیم البرکت سراج الامت مجدد الملت نجم المفسرین شمس المتکلمین فخر المحدثین علامہ اجل فاضل اکمل مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث صدر المدرسین دار العلوم فتحپوری دہلی (مدظلہ العالی) کے نام پر حضرت ممدوح کی اجازت کے ساتھ معنون کرتا ہوں۔

حلقہ بگوش

محمد زاہد القادری عفا عنہ

فی بلدۂ دھلی

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

خطبہ معارف القرآن

حق سبحانہٗ جل مجدہٗ نے اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں پر دو رحمتیں خاص طور پر نازل
مائی ہیں، ایک تو ذات بابرکات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رحمت
رآن مجید "فرقان حمید" ہے، قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ بے شک
یں ہے کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور مقدس اور کتاب روشن آچکی ہے
"قرآن حکیم" کی نسبت ارشاد فرمایا ہے هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۔ اس میں لوگوں کے لئے عقل کی باتیں ہیں اور ہدایت
رحمت ہے اُن نفوس قدسیہ کے لئے جو یقین رکھتے ہیں،

مسلمانوں پر ان دو عظیم و جلیل رحمتوں کا نزول حقیقتاً مولائے تبارک و تعالیٰ کی
انتہائی شفقت و مہربانی پر مشتمل ہے لیکن افسوس آج جہالت و معصیت نے
سلمانوں کے دلوں کو ان رحمتوں کی قدر دانی سے یکسر غافل و بے پرواہ کر دیا ہے
اہشات نفسانیہ کے اتباع سے وہ ان رحمتوں کی اصل قدر و قیمت سے نہ صرف بے
بلکہ ناآشنا ہوتے جاتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ ان رحمتوں کے مقابلہ میں دنیا
بڑی سے بڑی نعمت، دولت، ثروت، حکومت، ریاست، فراغت، راحت کوئی
حقیقت نہیں رکھتی۔

مسلمان کہتے ہیں یہ شک قرآن مجید منزل من اللہ ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں
لیکن افسوس یہ اقرار صرف زبان تک محدود ہے ان کے قلوب قرآن کریم
کی حقیقی عظمت و منزلت سے خالی ہیں، غیر ضروری کتابوں پر اونکی شوق
میں ڈوبی ہوئی نگاہیں، ہر وقت گڑی رہتی ہیں، لیکن اس مقدس کتاب کی
تلاوت سے وہ برسوں محروم رہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں
کے قلوب کلام الٰہی کی حقیقی عظمت و منزلت سے متصف نہوں گے، انوار الٰہیہ
سے متجلی نہیں ہو سکتے، آنکھیں جب تک اس کی روشنی سے محروم رہیں گی،
چشم بصیرت حقیقی ہستی کے جلوے نہیں دیکھ سکتی، کان جب تک اس سے غیر مانوس
رہینگے ضمیر کی پکار سنائی نہیں دے سکتی، زبان جب تک تلاوت سے محروم
رہیگی، قلبی زبان سے حکمت الٰہی کے چشمے جاری نہیں ہو سکتے، وَهٰذَا كِتٰبٌ
اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے مبارک ہے
تم اسی پر چلو)

آہ! اس سے بڑھکر اور کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ جس کتاب مقدس کو ہم اپنا
سرمایۂ ایمان سمجھتے ہیں اسی پر تدبر و تفکر کرنے اور اس کے ارشادات و ہدایات
پر غور و فکر کرنے سے ہم پہلو تہی کریں، ہم کبھی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے
مستحق نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ ہم اس رحمت جلیلہ سے حقیقی معنوں میں استفادہ
حاصل نہ کریں،

صرف قرآن کریم ہی ہمارے پاس ایک ایسا قطب نما ہے کہ جو ہمیں صراط مستقیم
کی سمت بتلا سکتا اور ہر معاملہ میں ہماری رہنمائی کر سکتا ہے اسی پر تدبر و تفکر
کرنے سے ہماری تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں ہمیں اپنا
معلوم ہو سکتا ہے کہ ہماری حالت میں کیا انقلاب واقع ہو گیا، اسی مقدس

نسخہ کے ذریعہ ہمارے تمام قلبی امراض زائل ہو سکتے ہیں اور روحانی صحت حاصل ہو سکتی ہے، اگر قلبی ذوق و شوق کے ساتھ ہم اس مبارک کتاب کو مطالعہ کریں اور اس کے احکام دلنشین کرنے کی کوشش کریں تو یقیناً ہمارے اخلاق ذمیمہ اخلاق حسنہ سے بدل سکتے ہیں، ہمارے چہرے نور ایمانی سے جگمگا سکتے ہیں، اور ہم سچے معنوں میں خدا کے بندے بن سکتے ہیں

افسوس تو یہ ہے کہ ہم تدبر و تعقل کی زبان سے قرآن کریم کو پڑھتے ہی نہیں۔ اگر صبح یا شام کے کسی حصہ میں تلاوت کی بھی تو ایک بیگار سی ٹالدی قرآنی عظمت کا مطلق خیال نہیں ہوتا، بہت سے گھر ایسے ہیں کہ ان میں قرآن مجید تو کثرت سے ہیں لیکن طاقوں میں سجے ہوئے گرد میں اٹے ہوئے رکھے ہیں، افسوس ہم نے اس قدسی کلام کی قطعی قدر نہیں کی، فیا حسرتاہ۔

مشاہدات سے ثابت ہے کہ معمولی ناول، اخبار، رسالے تو نہایت شوق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں لیکن قرآنی تعلیم سے دلچسپی حاصل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی ایمانی قوت بے انتہا کمزور، اخلاقی حالت گری ہوئی اور اسلامی وجاہت مٹی ہوئی نظر آتی ہے، اب بھی موقعہ ہے کہ مسلمان اپنی غفلت و بے احساسی پر آنسو بہائیں، اور کتاب اللہ کو اپنا رہبر بنائیں

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ

لوگو! تم اس کی پیروی کرو جو کلام مقدس تمہارے رب کے پاس سے نازل ہوا ہے (یعنی اللہ تعالے نے نازل فرمایا ہے) اور اس کے سوا دوسروں کی پیروی نہ کرو۔

حق سبحانہٗ جل مجدہٗ نے قرآن پاک کو نور و ہدایت بنا کر بھیجا ہے تاکہ مسلمان نصیحت حاصل کریں اور اسکی روشنی میں صراط مستقیم پر چلیں پس اس کے مطالعہ سے خاص یہی مقصود ہونا چاہئے کہ یہ ہمارا دین و ایمان ہے اسمیں ہمارے

لئے تعلیم و ہدایت موجود ہے اس کے ارشادات و ہدایات پر عمل پیرا ہونے سے ہمکو دینی و دنیوی سعادت حاصل ہو سکتی ہے، یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کے مطالب و معارف اس درجہ ارفع و اعلےٰ ہیں کہ قدسی نفوس اور سلیم العقل حضرات ہی ان پر مطلع ہو سکتے ہیں، لیکن حق سبحانہ تعالےٰ نے عام لوگوں کو اس کلام مقدس کے صرف سمجھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کے حقایق پر عبور کرنے کا، بنابریں بقدر امکان ہر شخص کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی سعی و کوشش کرنی چاہیئے۔

بعض متقدمین مفسّرین کی رنگ آمیزیان

قرآن مجید کی تعلیم مختلف شعبوں پر منقسم ہے، بعض احکام ایسے ہیں، جنسے واجب، مستحب، مکروہ، حرام وغیرہ کا علم ہوتا ہے، بعض احکام عبادات، معاملات تدبیر منزل، سیاست مدن وغیرہ سے متعلق ہیں۔ بعض ارشادات، یہود، نصاریٰ مشرکین، منافقین سے مباحثے کے بارے میں ہیں، بعض میں صفات الٰہیہ خلقت زمین و آسمان وغیرہ کا بیان ہے، بعض میں جزا و سزا، اطاعت کرنے والوں کو انعام، مجرموں کے لئے تعذیب و سزا کا ذکر ہے، بعض میں موت، حشر و نشر، حساب و کتاب، میزان، صراط، جنت، دوزخ وغیرہ کا حال ہے، عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ وہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصہ کے ساتھ ربط دیا ہے، اور اس قصہ کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ نزول قرآن سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور عقاید باطلہ و اعمال فاسدہ کی تردید ہے، قرآن مجید میں جو قصے مذکور ہیں انکی تشریح و توضیح میں بعض مفسرین نے بے انتہا مبالغہ سے کام لیا ہے، بنی اسرائیل کی کہانیاں، عابدوں،

صوفیوں کی غیر محققہ حکایات وغیرہ لکھکر اس قدر رنگ آمیزی کی ہے کہ حدود شرعیت سے تجاوز ثابت ہوتا ہے، بعض نے "اسرار و نکات" کے نام سے صدہا غلط واقعات لکھے ہیں کہ جن کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور جو صراحۃً طور پر خلاف عقل و نقل معلوم ہوتے ہیں ایک پوری تفسیر حضرت شیخ محی الدین اکبر کے نام سے موسوم کی جاتی ہے جس میں بہت سی باتیں ایسی لکھی ہیں جو بالکل خلاف شریعت اسلام ہیں، درحقیقت وہ تفسیر "حسین قاشانی" کی ہے کہ جو فرقہ باطنیہ کا امام اور مبلغ تھا"

آجکل حالت یہ ہے کہ عامۃ الناس بغیر کسی تحقیق و تنقید کے صرف تفسیر کا نام سنکر ہی اس کے رطب ویابس کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں، خواہ اس میں حد سے زیادہ تخالف و تعارض پایا جائے لیکن وہ اس پر نظر غائر نہیں ڈالتے، حالانکہ قرآن کریم ہر قسم کے تعارض و تخالف سے منزّہ و مبّرا ہے،

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝

(اور اگر یہ قرآن حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے پاس سے نازل ہوا ہوتا تو وہ ضرور اسمیں اختلاف پاتے)

بظاہر اس کا سبب یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر جہالت شائع ہے، لوگ غیر معمولی باتوں اور عجیب و غریب حاشیہ آرائیوں کو اسرار و نکات اور صنائع و بدائع سمجھنے لگتے ہیں، ان کو ازبر کر لیتے ہیں، اور ان سے استدلال کرنے لگتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن حق سبحانہ تعالیٰ نے لوگوں سے یہ دریافت نہیں فرمائیگا، کہ لوگو! تم نے اسرار و نکات کیوں نہ معلوم کئے، صنائع و بدائع کیوں نہ حاصل کئے، بلکہ صرف اس قدر پوچھیگا، لوگو میرے پیغمبروں نے تمکو میرے احکام پہنچائے ان کو تسلیم و تلقین کی، پھر بتلاؤ تم نے میرے احکام و اوامر کو سنکر! تم نے ان پر غور و تدبر کیا، تم نے احکام کی تعمیل کی؟

اس لئے عامۃ المسلمین کو غیر ضروری صنائع و بدائع کے خیال سے مجتنب ہو کر اصل غرض وغایت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اور تفسیر کے مطالعہ سے صرف یہ مقصود ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعہ سے قرآن حکیم کے معانی ومطالب کا علم حاصل کر سکیں، اس علم سے خود بھی استفادہ حاصل کریں، اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں خود عامل ہوں اور دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دلائیں، جب احکام الٰہیہ کی تعمیل کیجائیگی اور تعلیم قرآنی پر تدبر و تعقل کیا جائے گا تو پھر اسرار و نکات اور حقائق و معارف کا خود بخود انکشاف ہونے لگیگا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں بقدر امکان مضامین قرآن کی نشر و اشاعت کروں، اور ان لوگوں کو جو کتاب اللہ کی حقیقی عظمت و منزلت دلوں سے کھو کر جادہ استقلال سے دور جا پڑے ہیں مرکز اصلی پر واپس آنے کی دعوت دوں چنانچہ اسی عزم صمیم کے ماتحت سورۂ "وَالْعَصْرِ" کی تفسیر "معارف القرآن" کے نام سے پیش کرتا ہوں اور حق سبحانہ تعالےٰ سے مستدعی ہوں کہ میرے مقاصد کی تکمیل فرمائے۔"

ممکن ہے بعض طبائع میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب متقدمین و متاخرین کی صدہا تفاسیر موجود ہیں اور مفسرین متقدمین نے قرآن کریم پر غور وفکر کر کے عامۃ الناس کے سمجھنے کے لئے کافی ذخیرہ جمع کر دیا ہے تو اب کسی تفسیر کی کیا ضرورت ہے؟ صرف ان کا دیکھ لینا ہی کافی ہے؟

میرے نزدیک ایسا خیال کرنا انتہائی پست ہمتی اور کوتاہ عقلی پر مبنی ہوگا تعلیمات قرآنی ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے قابل غور وفکر ہیں اور محض ان پر تدبر کرنے سے انسان قعر مذلت سے نکلکر اوج معرفت پر پہونچ سکتا ہے یہی تدبر و

سورۃ العصر مکیۃ وھی ثلٰث اٰیۃ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا اور نہایت مہربان ہے

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

عصر کی قسم۔ بے شک انسان خسارے میں ہے

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

اور جو ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور صبر کی نصیحت کرتے ہیں

"جامع التفاسیر" میں سورۂ "وَالعصر" کی نسبت حضرت مجتہد محترم امام شافعی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں "اگر قرآن کریم نازل نہ ہوتا اور صرف قرآن کے یہ چند جملے ہی نازل ہو جاتے تو یقیناً تمام کرۂ ارضی کی ہدایت کے لئے کافی تھے شریعت اسلام نے فلاح آخرت اور حصول مغفرت کے لئے چار درجے مقرر کئے ہیں (۱) ایمان کامل (۲) عمل صالح (۳) وصیت بالحق (۴) وصیت بالصبر" جب تک یہ چاروں صفتیں کسی شخص میں موجود نہ ہوں فلاح آخرت وحصول مغفرت کا مستحق نہیں ہو سکتا، سورۂ "والعصر" میں ان منازل اربعہ کی ہی تشریح و توضیح کی گئی ہے"

اس مقدس سورۃ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک کافر "ابوالاشدین" نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قبول اسلام پر مطعون کیا اور کہا کہ ای ابن قحافہ تم تو بہت عقلمند اور روشن خیال سمجھے جاتے تھے افسوس تم نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا، لات ومنات کی پرستش سے محروم ہو گئے اور نقصان وخسارہ اٹھایا"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواباً کہا "اے ابوالاشدین وہ شخص تو نقصان میں نہیں ہو سکتا جو خدا و رسول پر ایمان لائے، نیک کام کرے، تبلیغ حق اور وصیت صبر کرے، ہاں نقصان وخسارہ میں تو وہ لوگ ہیں جو بت پرستی کرتے ہیں، خواہشات نفسانی کے متبع ہیں، اور اللہ

ورسول کو جھٹلاتے ہیں"

اس موقعہ پر حضرت حق عز مجدہٗ کی طرف سے سورۂ "والعصر" کا نزول ہوا، اور ارشاد فرمایا گیا "وَالْعَصْرِ" محمدؐ تمہارے زمانہ کی قسم جو تمام زمانوں سے افضل اور مبارک زمانہ ہے، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بیشک انسان خسارہ میں ہے، توحید و رسالت پر یقین نہ رکھنے والے! افعالِ ذمیمہ میں منہمک رہنے والے، امورِ باطل میں وقت برباد کرنے والے، نقصان اور ٹوٹے میں ہیں" اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، مگر وہ لوگ جو کہ اللہ و رسول پر ایمان لائے ہیں، احکام الٰہی کو سچا سمجھتے ہیں، "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ اختیار کئے ہوئے ہیں "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" ایک دوسرے کو امر حق کی وصیت کرتے ہیں، سچائی کی اشاعت میں مصروف ہیں" وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ، صبر و تحمل کی تلقین کرتے اور ایثار و قربانی کا سبق پڑھاتے ہیں، وہ نقصان اور خسارہ میں نہیں ہیں"

حق سبحانہ تعالےٰ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک انسانوں کے لئے بڑے بڑے گھاٹے ٹوٹے ہیں مگر صرف وہی نفوس قدسیہ خسارہ اور نقصان سے محفوظ ہیں جو قولاً اور عملاً خدا و رسول کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں، اور سچے معنوں میں حلقہ بگوش اسلام ہیں،

دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلی شرط اور سب سے پہلی سیڑھی یہ ہے کہ اُس خالق ارض و سما وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت و قدرت کا بدرجۂ اتم یقین ہو جائے اور اسی واحد القہار پر کامل اعتماد و بھروسہ ہو، اگر دلوں میں ایک ذرہ برابر بھی صداقت و قدرت الٰہیہ کے متعلق شک

باقی رہا تو یقیناً پھر کامیابی کا کوئی دروازہ نہیں کھل سکتا۔"

درجۂ مقصود پر پہونچنے کے لئے دوسری سیڑھی عمل صالح کی ہے، یعنے وہ کام جو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کے لئے انجام دئے جائیں، جب انسان کے دل میں ارادۂ صادق اورعزم راسخ پیدا ہوگیا ہے تو عملی سعی وجہد کی منزل پیش آئی، اوراس منزل کا طے کرنا گویا نصف راستہ کا طے کرنا ہے، جب اس کو پورا کرلیا تو کامیابی کی دو منزلیں طے ہوگئیں۔"

لیکن ان منازل کے طے کرنے پر بھی کام ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ درجۂ مقصود کی دو منزلیں باقی رہتی ہیں جو وصیت بالحق اور وصیت بالصبر سے متعلق ہیں۔"

تیسری سیڑھی "حق الامر کا" نشروا علان ہے یعنے خود اقرار و تصدیق کرنے کے بعد اپنے ابنائے جنس کو بھی خدا کی سچائی کا پیغام پہنچانا، اور مشعل صداقت ہاتھ میں لے کر گمراہوں کو سیدھا راستہ دکھلانا، اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کے بعد جب تک قلب اعلائے کلمۃ الحق کے لئے بیتاب و مضطرب نہ ہو" تیسری شرط کی تکمیل نہیں ہوئی، ہاں جس وقت اظہار صداقت اور وصیت حق کے لئے جذبات میں برانگیختگی پیدا ہونے لگے اور دل میں اضطراب نظر آئے اس وقت تیسری منزل کی تکمیل سمجھنی چاہیئے۔"

اگر توفیق الٰہی سے یہ منازل ثلاثہ طے ہوجائیں تو پھر درجہ مقصود پر پہونچنے میں صرف ایک منزل کی مسافت باقی رہجاتی ہے، اور وہ آخری سیڑھی تبلیغ صبر کی ہے۔"

افسوس ہے عام طور پر آج کل "صبر" کے معنے غلط سمجھے جارہے ہیں، عامۃ الناس کے نزدیک اعلائے کلمۃ الحق کرتے ہوئے اگر کوئی مشکل پیش آئے تو گوشۂ

عافیت میں جاکر خاموش بیٹھ جانا "صبر" ہے گویا باطل سے مرعوب ہونے اور بے حمیتی و بے غیرتی اختیار کرنے کا نام صبر ہے فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ الْجَہْلِ وَالْجَاہِلِیْنَ۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں صبر کے یہ معنے ہرگز نہیں ہیں، بلکہ صبر کے اصلی معنے "برداشت" اور تحمل کے ہیں یعنے اگر اعلان حق کرتے ہوئے کوئی بڑی سے بڑی مشکل بھی پیش آئے تو برداشت کی جائے" اگر مصائب کا پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے تو تحمل سے کام لیا جائے، اگر درحقیقت دل کے اندر حق تعالےٰ کی وحدانیت و قدرت کا یقین کامل ہے تو مشکلات کا جھیلنا اور مصائب کا برداشت کرنا ہرگز ناگوار نہیں ہو سکتا"

یہ ہے صبر کی تعریف، اس کے خلاف معنے نکالنا اور سمجھنا صریح طور پر قرآن کریم کی تحریف لفظی و معنوی ہوگئی اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذَالِكَ۔

فلاحِ آخرت وحصول مغفرت کا یہ قرآنی پروگرام جسمیں چار دفعات ہیں، تیرہ سو برس سے شایع ہے اور ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔

جن لوگوں نے خدا تعالےٰ کی ذات پر کامل یقین اور بھروسہ کیا، نیک کام کیئے حق کا اعلان کیا، صبر کی تلقین کی وہی فائز المرام ہوئے ہیں ورنہ منکرین تو ہمیشہ ٹوٹے اور خسارہ میں ہی رہے ہیں، جس کا ثبوت تاریخ کے اوراق وصفحات پیش کر رہے ہیں"

دنیا کا ہر ذرہ اور دریا کا ہر قطرہ اس حقیقت کی شہادت دے رہا ہے کہ بیشک کوئی انسان کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا، جب تک وہ "ایمان" "عمل" "حق" اور "صبر" کی منزلوں کو طے نہ کرے اور اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے حق تعالےٰ نے "والعصر" فرمایا ہے" فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ"

آج حلقہ بگوشانِ اسلام اور پرستارانِ توحید اپنے اعمال و افعال کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ان کے دلوں میں ایمان کامل کا چراغ روشن ہے؟ کیا واقعی ان کے اندر عمل صالح کا جذبہ مشتعل ہے، کیا واقعی ان کا قلب اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مضطر ہے؟ اور کیا حقیقتاً برداشت و تحمل کا مادہ ان میں موجود ہے؟ اگر احتساب عمل کرنے پر یہ تمام باتیں تم اپنے اندر پاتے ہو تو، بیشک تم نے قرآنی پروگرام کی چاروں دفعات کی تکمیل کرلی ہے، اور فلاح دارین و مغفرتِ حق تمہارا حصہ ہے، بخلاف اسکے اگر ایمان کامل سے تمہارے قلوب خالی ہیں شکوک و شبہات کا شائبہ موجود ہے عمل صالح کا احساس نہیں رہا ہے، اعلان حق اور وصیت صبر کی ہمت و جرأت مفقود ہے تو پھر تمکو کیا حق حاصل ہے جو تم دنیا و آخرت کی کامیابی تلاش کرتے ہو، اور رحمت و مغفرت الٰہی کے منتظر رہو،

یاد رکھو، جب تک اس قرآنی پروگرام پر عمل نہ کروگے، چاروں دفعات کی تکمیل نہ کروگے فلاحِ آخرت و مغفرت حق نصیب نہیں ہوسکتی، ان شرعی دفعات کی تکمیل پر ہی تمام کامیابیوں کا انحصار ہے، یہی وہ شرائط اسلامی ہیں کہ جو قیامت تک نجات و مغفرت کا ذریعہ بنی رہینگی اور دنیا کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت بھی ان میں سے ایک بھی کم نہیں کرسکے گی۔

مسلمانو! اگر تمہارے ایمان کا تخم اچھا ہے، عمل کی سرزمین خراب نہیں ہے، حق کا بیج بویا گیا ہے اور صبر کی آبپاشی ہورہی ہے، تو یقین رکھو رحمت کے بادل آئیں گے، قبولیت کی بجلیاں چمکیں گی، مغفرت کا مینھ برسے گا، اور آخرت کی کھیتی سرسبز و شاداب نظر آئے گی!

وَاللّٰہُ الْمُعِیْنُ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ

تصریح معارف

قرآن حکیم کے نزول کی اغراض وغایات "اعلانِ توحید" "وعدہ وعید" "تعلیم عبادت" "تلقین سعادت" اور "تذکیر قصص و واقعات" تسلیم کی جاتی ہیں۔ نزول قرآن کے وقت چونکہ تمام لوگ شرک وکفر اور باطل پرستی میں مبتلا تھے، اس لئے نشر واعلان توحید نہایت ضروری تھا، عام طور پر افعال ذمیمہ واخلاق رذیلہ شایع تھے اسلئے "وعدہ وعید" یعنے احکام الٰہیہ پر عمل کرنے والوں کو ثواب اور مغفرت کی خوشخبری سنانا اور احکام الٰہیہ سے منحرف ہونیوالوں کو عذاب وعتاب سے خائف کرنا بھی لازمی تھا، عبادت کی تعلیم کہ جس سے توحید دلوں میں قایم ومستحکم ہوتی ہے، اور سعادت کی تلقین کہ جس کا نتیجہ صراط مستقیم پر استقرار اور خدا ورسول کی رضاجوئی ہے، نہایت ضروری تھی، اسی طرح قصص و واقعات کا تذکرہ بھی ضروری تھا، تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں اور صالحین کے طریقہ کی پیروی اور منکرین وخاسرین کے طریقہ سے اجتناب کریں، یہی وہ امور ہیں جو قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں اور جن پر انسان کی دینی ودنیوی فلاح وسعادت کا انحصار ہے"

سورۂ "والعصر" میں ان تمام باتوں کا اجمالی بیان موجود ہے اور اگر تفکر وتعقل سے کام لیا جائے تو بلاشک حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اس مجتہدانہ قول کی تائید کرنی پڑتی ہے کہ اگر قرآن نازل نہ ہوتا اور صرف یہ چند جملے ہی نازل ہوجاتے تو تمام کرۂ ارضی کی ہدایت کے لئے کافی تھے، ان ہی صفحات میں بعض حقائق ومعارف کی تصریح وتوضیح کے ساتھ متذکرہ "اجمال" کی تفصیل بھی بیان ہوگی ؎

وَالْعَصْرِ

حق سبحانہ تعالےٰ عز مجدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے" والعصر" اے محمدؐ! تمہارے زمانہ کی قسم کہ جو تمام زمانوں سے بہتر اور مبارک زمانہ ہے، یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قسم کیوں کھائی ہے؟ اور پھر حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی تخصیص کس وجہ سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید ٹھیک ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورۂ عرب کے موافق نازل ہوا ہے۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے اور محاورہ ہے کہ جب وہ کسی امر کو وثاقت کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو قسم کھاتے ہیں، چنانچہ حق تعالےٰ نے اس موقعہ پر اہل عرب کے مسلمہ قاعدے اور محاورہ کو ملحوظ رکھکر قسم کھائی ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالےٰ علیہ "اتقان" میں لکھتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے قرآن مجید میں جہاں جہاں قسمیں کھائی ہیں وہاں ہر موقعہ پر محاورۂ عرب کو ہی ملحوظ رکھا ہے "تاکہ مخاطبین پر ارشاد و ہدایت کا اثر ہو، اب یہ سوال باقی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کی قسم کیوں کھائی اور مخاطبین پر حضور کے "زمانہ" کی قسم کا کیا اثر ہو سکتا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک زمانہ باعتبار غلبۂ حق اور زوال باطل کے ایک بیّن ثبوت ہے اس امر کا کہ بیشک جن لوگوں نے حق تعالےٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اعمال صالحہ اختیار کئے اور جو اعلاء کلمۃ الحق اور وصیت "بالصبر" میں ثابت قدم رہے وہی کامیاب اور فائز المرام ہوئے جنہوں نے شرائع الٰہی کو پس پشت ڈال دیا، اور احکام الٰہی کو ٹھکرا دیا، وہ نقصان و خسارہ میں رہے، حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جو زبردست انقلاب واقع ہوا اسکی مختصر کیفیت یہ ہے۔

"تاریخ بتلاتی ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں خدا کی زمین پر عظیم و جلیل البطال
ونڈالیکیوں نے قبضہ کر رکھا تھا، سنہ میں مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب
تک شرک و کفر اور جہالت و معصیت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، یورپ میں ایک عظیم الشان
بت تھا جس کو "ووڈن" "[illegible]" کہتے تھے خدا سمجھا جاتا تھا، ہر سمت اور ہر حصہ
میں خونریزی و بدامنی کی آگ کے خوفناک شعلے بھڑک رہے تھے" "فارس" میں تو ر
زمین، زن کے جھگڑوں کے سوا کسی بات سے غرض نہ تھی، لوگ خدا کی عبادت اور
اخلاق حسنہ کے نام سے بالکل غیر مانوس تھے "چین" میں خدا کی وحدانیت نام کو باقی
نہ ہی تھی، پادشاہ کو لوگ خدا سمجھتے تھے، اور بعض خدا کا سماوی فرزند یقین کرتے تھے،
"ہندوستان" میں سانپ، شہد کی مکھی، پتھروں کے بت، بندر، ہاتھی، اور گائے
کی پرستش ہوتی تھی لوگوں کا یقین تھا کہ یہ سب خدا کے نائب ہیں، بعض کا عقیدہ
تھا کہ خدا ان کے اندر سمایا ہوا ہے"

"مصر" میں ہزاروں فرقے پیدا ہو گئے تھے، ہر ایک فرقہ کا علیحدہ علیحدہ معبود
تھا، بڑے بڑے بت تراش کر نصب کئے گئے تھے جنکو معبود کہا جاتا تھا"
"خطۂ عرب" کہ جہاں پر "مصلح اعظم" صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے کس حالت میں تھا؟
اس کا جواب کسی قدر تفصیل کے ساتھ دیا جائے گا"

"اہل عرب" اللہ تعالےٰ کی وحدانیت سے بالکل ناآشنا ہو گئے تھے سنگ پرستی
سب سے زیادہ اسی خطہ میں رائج ہو گئی تھی"
فحش، فحش نہ تھا، ہر شخص اقوال و افعال میں آزاد تھا "جوان العمر" دوشیزہ لڑکیوں
کے متعلق نام بنام اشعار لکھے جاتے اور پھر انتہائی بے حیائی کے ساتھ ارمان پورے
کئے جاتے تھے"
زنا پر بجائے ندامت اور شرمندگی کے فخر کیا جاتا تھا اور اس فخر کو ہر ممکن سعی و کوشش

کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا تھا،

نشہ، سے زیادہ کوئی مرغوب و محبوب شغل نہ تھا، لوگ اس قدر شراب پیتے تھے کہ مدہوش ہوکر شرمناک حرکتیں کرتے تھے اور فخر کرتے تھے،

جوا، شرفاء قوم کا بہترین شغل تھا، بڑے بڑے مقامات پر باقاعدہ قمار خانے کھلے ہوئے تھے؛

سود خواری، سب سے زیادہ مرغوب پیشہ تھا، جو سب سے زیادہ سود خوار ہوتا تھا، وہی بہت بڑا معزز اور دولتمند سمجھا جاتا تھا؛

حرامخوری، عام طور پر لڑکیوں اور لونڈیوں کو بازار میں خیموں کے اندر بٹھلایا جاتا تھا اور عصمت فروشی کرائی جاتی تھی، جس قدر آمدنی ہوتی تھی اس سے دعوتیں ہوتی تھیں اور فخر کیا جاتا تھا؛

ڈاکہ زنی، بہت سے قبائل کا آبائی پیشہ تھا، خدا کے بندوں کی جانیں ضایع کرنا مسافر کو ہلاک کر ڈالنا ایک قسم کی شجاعت سمجھی جاتی تھی؛

مصیبت و کلفت، کے وقت لات و منات اور اساف و نائلہ جیسے بتوں کے سامنے گریہ وزاری کی جاتی تھی، منتیں مانی جاتی تھیں، اولاد کی قربانیاں کی جاتی تھیں، اور پتھروں سے حاجتیں طلب کی جاتی تھیں؛

جدال و قتال، و غزات کا مشغلہ تھا، ہمیشہ خونریزیاں ہوتی رہتی تھیں، دو قبیلوں کے درمیان جب جنگ چھڑ جاتی تھی تو پچیس پچیس، چالیس، چالیس، پچاس پچاس برس تک جاری رہتی تھیں اس قسم کی لڑائیاں شعر و شاعری یا ڈاکہ زنی یا کنوؤں سے پانی بھرنے پر ہو جاتی تھیں؛ مردار جانوروں اور مرے ہوئے مویشیوں کو بلا تکلف کھاتے تھے؛ عورت کی حیثیت نہایت ذلیل تھی، عورت کسی قسم کا حق نہ رکھتی تھی ہر شخص جتنی عورتیں چاہتا رکھ سکتا تھا؛ کوئی تعداد مقرر نہیں تھی، سوتیلی ماں سے

سے شادی جائز تھی ، رشتہ داروں کے گھر کھانا پینا میل جول رکھنا ساتھ بیٹھکر کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔"

۲۸ اگست سنہ ء کو بڑے بڑے راہبوں اور کاہنوں نے اعلان کر دیا تھا کہ محمد پیغمبر آج پیدا ہو گئے ، وہ مذہب حق کا اعلان کریں گے ، اور دنیا سے تاریکی وگمراہی کو مٹائیں گے ، جو لوگ ان کے حامی ہوں گے وہ نفع حاصل کریں گے اور جو انکی مخالفت کریں گے ، ٹوٹے اور نقصان میں رہیں گے " بعض لوگوں کو کاہنوں کی پیشینگوئیوں اور اعلانات سے خوشی ہوئی بعض کو تعصب کیوجہ سے رنج ہوا۔"

رسول اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا میں کیا انقلاب واقع ہوا ، گمراہی وضلالت کا کیونکر استیصال ہوا ، توحید کی روشنی کس طرح پھیلی ؟

صفحات تاریخ بتلاتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے ظاہر ہونے پر شرک وکفر کا زور گھٹ گیا ، بت پرستی وسلاطین پرستی نہ رہی ، سنگدلی وخونخواری کے بجائے رحمدلی ومنکسر المزاجی اور عداوت ومعاندت کے بجائے اخوت وہمدردی پیدا ہو گئی " بت پرست اور خدا پرست بنگئے ، ظالم وسفاک ، رحمدل ، نیک مزاج ہو گئے ، زانی ، شرابخوار ، سود خوار ، بڑے متقی ، پرہیزگار اور عبادت گذار بن گئے "

غرضکہ جس قدر افعال ذمیمہ واطوار شنیعہ شائع تھے ، اعمال صالحہ واخلاق فاضلہ سے متبدل ہو گئے ، جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ

اسی انقلابی زمانہ کی قسم کھا کر اور ایک برہان عظیم قایم فرما کر حق تعالے نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بے شک ہر وہ انسان نقصان اور خسارے میں ہے جو احکام الہیہ سے اعراض وانحراف کرتا ہے ، عمر عزیز کے قیمتی لمحے نفس پرستی

اور باطل نوازی میں ضائع کرتا ہے جس طرح کہ حصول مغفرت و سعادتِ آخرت کی چار شرائط بیان ہوئی ہیں، اسی طرح "خسارت" کے بھی چار مدارج ہیں، پہلا درجہ شرک و کفر کا ہے جس میں قیامت کا انکار، خدا کی وحدانیت کا انحراف اور شیطان کی دوستی و پیروی پر استقرار ہے، اس درجہ کی سزائیں نہایت شدید ہیں یعنی "عذاب دایم" اور حبط عمل" وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ۝

دوسرا درجہ، اسلام سے منہ پھیر کر حق پرستی سے منحرف ہوکر باطل پرستی و نفس پرستی کی طرف رجوع ہونا ہے جس میں احکام شریعت کے خلاف آباو اجداد کی رسوم ادا کرنا اور قبیلہ و برادری کے مذموم رواج کی پابندی کرنا بھی شامل ہے، اس درجہ کی سزائیں بھی سخت ہیں یعنے کسی عمل کا قبول نہ ہونا تمام نیکیوں کا ضائع ہونا اور آخرت میں نقصان اٹھانا۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

تیسرا درجہ، لہو و لعب اور امور لاطائل میں وقت برباد کرنا، اعمال صالحہ صرف ریاکاری کی نیت سے انجام دینا، گناہوں میں مبتلا رہنا ہے جسمیں جھوٹی قسمیں کھانا، کذب بیانی، افترا پردازی اور تمام گناہ کبیرہ بھی شامل ہیں، اس درجہ کی سزائیں بھی حسرتناک ہیں، یعنے حق تعالےٰ کی کرم گستری سے محروم رہنا، میدان حشر میں ندامت و پشیمانی اور شرمندگی حاصل ہونا۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ

چوتھا درجہ، مال و دولت جمع کرنے اور اہل و عیال کی محبت میں مستغرق رہ کر

یادِ الٰہی سے غافل اور فرائض دینی سے قاصر رہنے پر مشتمل ہے، اس درجہ کی سزا عتابِ الٰہی کا نازل ہونا اور آخرت میں شدید نقصان کا حاصل ہونا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؕ

یہ چار مدارج "خسارت" تھے جن کو بیان کیا گیا، ان کے علاوہ جو امور باعث خسران ہیں وہ سب ان مدارج کی ہی شاخیں ہیں، سلیم العقل انسان ان مدارج پر ہی نظر غائر ڈالکر صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے، فاتر العقل اور کثیف القلب کے لئے ایک دفتر بھی بیکار ہے، اور یقیناً اس کے لئے دین و دنیا میں دونوں جگہ خسارہ ہے۔

"خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ"

ایک خسرانِ عظیم انسان کو سرکشی اور نخوت پسندی کی صورت میں بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی

بے شک انسان سرکشی کرتا ہے اور اپنے تئیں مستغنی دیکھتا ہے یعنے متمول ہو لنے پر انسان مغرور و متکبر ہو جاتا ہے اور اپنی دولت کو دیکھ دیکھ کر سرکشی کرتا ہے، احکام الٰہیہ کو نہیں مانتا، امر حق کو تسلیم نہیں کرتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ بے شک انسان اپنے رب کی ناشکری کرنے والا ہے، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ بے شک انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ بے شک انسان ظلم کرنے والا اور کفران نعمت کرنے والا ہے۔

کیا اس سے بڑھکر کوئی دوسری ناشکری، ناانصافی، اور سرکشی ہو سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے دولت و ثروت حاصل ہونے پر بجائے شکر گذار ہونے کے انسان مغرور

ومتکبر بنجائے، عبادت وغیرہ کو بالائے طاق رکھدے، ہر لمحہ دنیوی عیش وراحت میں مصروف رہے، شریعت کے مسائل سے اعراض کرے، جس بات کو طبیعت پسند کرے وہ اختیار کرے، خدا کی مخلوق کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگے، اگر کسی شخص کی تعظیم کرے تو محض اس وجہ سے کہ وہ متمول اور دولتمند ہے، شرف و اعزاز کا باعث مال و دولت کو سمجھے، دنیا میں اس سے بڑھکر کوئی دوسری غلطی نہیں ہوسکتی کہ کسی شخص کو محض اس وجہ سے قابل وقعت ولائق شرف سمجھا جائے کہ وہ متمول و دولتمند ہے، عزت و شرف کا سبب مال و دولت کو سمجھنا انتہائی کوتاہ عقلی ہے، تمام انسان خدا تعالے کی مخلوق ہیں کسیکو کسی پر فوقیت نہیں، ابن آدم ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں، ہاں اگر کوئی امتیاز خصوصی ہے تو وہ مسلمان ہونا ہے، اب مسلمانوں میں قابل عزت ولائق شرف کون ہوسکتا ہے؟ اسکا جواب قرآن مجید ان الفاظ میں دیتا ہے "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" "تحقیق تم میں بزرگی والا وہی ہے جس کے عمل اچھے ہیں" پھر کسی ایسے متمول اور دولتمند شخص کو کہ جس کے اخلاق نہایت مذموم ہوں، اور افعال نہایت قبیح ہوں کسی ایسے غریب اور مفلوک الحال خدا کے بندے پر کہ جو نہایت صالح اور متقی ہے اشرف اور ترجیح دینا اگر ہٹ دھرمی، زر پرستی اور باطل نوازی نہیں تو اور کیا ہے؟ فیا حسرتاً علی العباد

خاسرین کی ایک خاص جماعت

شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے "اَلَا اِنَّ اَشَرَّ الشَّرِّ شَرُّ العُلَمَاءِ وَخَیْرَ الْخَیْرِ خَیْرُ العُلَمَاءِ" جان لو کہ برائیوں میں سب سے زیادہ بری بات علماء کا برا ہونا ہے اور بھلائیوں میں سب سے اچھی بات علما کا اچھا ہونا ہے" اس مقام پر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ قطع نظر عامۃ الناس کے اسوقت علماء عصر کہاں تک تبلیغ و ہدایت میں مصروف ہیں اور کس حد تک اپنے فرائض کو نہایت نیک نیتی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، آیا وہ اپنے ظاہری افعال و اعمال کی بنا پر مستحق سعادت ثابت ہوتے ہیں یا مستحق خسارت؟

مشاہدات سے ظاہر ہے کہ آجکل احکامِ شریعت نفاذ و عمل حقیقی کے لئے نہیں رہے ہیں بلکہ محض دنیاوی ضابطوں اور قاعدوں کی طرح انجام دیئے جاتے ہیں، علماء کو شارع علیہ السلام نے ممانعت فرمائی تھی کہ ہدایا قبول نہ کریں، کیونکہ ممکن ہے یہ رشوت کا کام دیں، آج ایسے ہی واقعات موجود ہیں کہ واعظین پہلے اپنی "فیس" ٹھہرا لیتے ہیں، اسکے بعد وعظ و تذکیر کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، پھر نذرانہ دینے والے کی جیسی خواہش ہوتی ہے، ویسا ہی وعظ کہدیا جاتا ہے، اور جن جن باتوں کو وہ اپنے حسب منشاء انجام دینا چاہتا ہے، بلاتامل ویسا ہی فتوے صادر کر دیا۔

وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ط

علمائے عصر کی حیلہ سازیوں اور کوتاہیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب تذکرہ فرماتے ہیں "آج علمائے عصر کی اہلہ فریبیوں کا فساد اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اصحاب حیل کے نزدیک حلال و حرام کی تمیز بالکل اٹھ گئی، محارم شرعیہ حلال ہو گئے، عقودِ فاسدہ کو جائز بنا لیا گیا، حدود شرعیہ ساقط کر دیئے گئے، نور و ظلمت، سیاہ و سفید فسق و تقویٰ میں کوئی فرق باقی نہ رہا، احکام و اوامر اور عبادت و معاملات کی کوئی شاخ بھی اس معصیت عظمٰے سے نہ بچی، ہر حکم سے بچنے کے لئے حیلے ہر قید شرعی سے نکل بھاگنے کے بہانے، ہر امر و نہی کے سقوط و تعطل کے لئے مکر و فریب شریعت الٰہیہ کے کسی حکم کو بھی سچی تعمیل اور راستبازانہ و صالحانہ اطاعت کے لئے باقی نہ چھوڑا، اعمال انسانیت کی وہ اصل عظیم جسکو شریعت نے نیت کی جامع و حاوی لفظ سے تعبیر کیا تھا اور تمام احکام و مقررات کی بنیاد اسی پر رکھی تھی کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، حضرت امام بخاری نے اسی جامع الکلم کو اپنی کتاب کا سرنامہ و عنوان قرار دیا تھا، اسطرح تاراج و تباہ کر دی گئی، گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا"

حمایت و فقاہت کی آڑ میں اس قدر حیلہ بازیاں اور مکاریاں عمل میں لائی گئیں کہ

مذہب کی صداقت پر تاریکی چھانے لگی ؎

فقہ محض قیاس اور صرف ظن کا نام ہوگیا، ہر ذہن نے تیزی دکھلائی، اور ہر قیاس نے بلند پروازی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت الٰہی جو عدل و صداقت کے قیام کے لئے آئی تھی اسی کے نام سے مکر و فریب اور ظلم و غصب کے تمام کاروبار جاری ہو گئے، اور دنیا کی تباہی کے لئے اس سے بدتر وقت اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ خدا کا پاک نام لے کر اسکی دنیا میں برائی پھیلائی جائے، کتنی ہی زناکاریاں ہیں جو حیلے نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں، کتنے ہی غصب و ظلم کے رذائل ہیں جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا، کتنے ہی عقود فاسدہ ہیں جنکو جائز کرکے بندگان الٰہی کے حقوق تلف کرائے، کتنے ہی حج ہیں کہ ساقط ہوئے، کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں، کتنے ہی شارب الخمر اور زانی ہیں جو حدود شرعیہ سے صاف بچائے گئے، پھر یہی تخم مکر و فریب ہے، جسکی شاخیں دور دور تک پھیلیں، متعدد تفریعات ہیں جو بظاہر اس سے الگ معلوم ہوتی ہیں مگر فی الحقیقت اسی فتنۂ عظیم کے اخوان و اخوات میں داخل ہیں ازانجملہ اجیرۂ زانیہ کے اجر مثل کا جزئیہ ہے جسکی ابتدار شاید ایک اصولی اور قانونی بحث سے ہوئی تھی یعنے جس عقد کا معقود علیہ میں داخل ہوگا یا ایک شرط زائد اور سبب بعید؟ اور اس کا شمار عقد باطل میں ہوگا یا فاسد میں؟ لیکن آگے چلکر یہ ایک سچ مچ علی ذریعۂ حلت مہر بغی وسیلۂ توسیع کاروبار بن گیا، بعض شروح میں درج ہے، مَا اخذته الزانيه ان كان بعقد الاجارة فحلال لان اجر المثل طيب، زانیہ نے اگر عقد اجارہ کے بعد اپنی اجرت لی تو وہ حلال ہے کیونکہ اجر مثل کے طیب ہونے میں کلام نہیں، جب اس پر لوگوں نے اپنا سر پیٹ لیا کہ جس چیز کو اللہ کے رسول نے خبیث فرمایا اس کے طیب ہونے کی کونسی نئی وحی اتر آئی ہے مسلم و ترمذی کی حدیث رافع میں صریح ہے، مہر البغی خبیث، اور بخاری کی روایت

میں ہے، نھی رسول اللہ صلعم عن ثمن الکلب ومھر البغی،
تو اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک خاص حالت تھی، ھو ان یواجر
امۃ علی الزنا وما اخذہ من المھر لکن ان استاجرھا لیزنی
بھا ثم اعطاھا مھرھا او ما شرط لھا فلا باس باخذہ لانہ فی
اجارہ فاسدہ فیطیب لہ وان کان البیت حراما" یعنے اگر ایک عورت
کو زنا کیلئے اجارہ پر رکھا اور اس کے بعد عورت نے وہ اجرت لی تو اس کے لینے میں کوئی
حرج نہیں" یہانتک تو مسئلہ کی اصلی صورت تھی، لیکن جب اس پر بھی لوگوں نے
ماتم کیا کہ یہ شریعت کی تباہی اور انسانیت کی ہلاکت ہے کہ محض عقد اجارہ کی ایک
مہمل باطل کی بناء پر اجرت خبث و خباثت کو کھلے بندوں حلال و طیب بنایا جارہا
ہے؟ تو پھر یہ حیلہ پیش کیا جارہا ہے" ان یستاجرھا لکنس بیتہ او لطے
ثیابہ او طبخ طعامہ او لنقل متاع من کان الی مکان و
یشترط بھا الزنا ثم یزنی بھا" یعنے صورت اسکی یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے
گھر کا کام کاج کرنے کے لئے یا کھانا پکانے کے لئے یا کسی اور فعل مباح کے لئے
ایک عورت سے عقد اجارہ کیا کہ اتنی مزدوری پر میرا کام کر دینا اور ساتھ ہی یہ
شرط بھی ٹھہرالی کہ تجھسے زنا بھی کرونگا تو چونکہ یہ مشروع باصلہ و غیر مشروع بوصفہ
ہے اس لئے اجارہ فاسد ہوا لیکن اُجرت حلال ٹھہرالی، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسیوقت
"حضرت مولنا" نے ذرا چشم و ابرو دیکھکر کسی اچھی سی ماما کو کام کاج کے لئے مزدوری
پر رکھ لیا، اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ٹھہرالی کہ گاہ گاہ کچھ اور شغل بھی جاری رہیگا،
تو ایسی اجرت اس ماما کے لئے جائز و حلال و طیب ہے لان اجر المثل طیب!
تعالی اللہ و شریعتہ عما یقولون و یفعلون علواً کبیرا، یہ ہے
قیاس غیر صالح جسے شریعت نے ہوا، نفس سے تعبیر کیا ہے، اقیاس صالح

دوسری چیز ہے وہ بے شک عین شریعت بلکہ منتہا مرتبہ علم حق و بصیرت ربانی ہے، لیکن اس کے امانت دار صرف وہی قدسی نفوس علمائے صالحین ہیں جنکو وراثت انبیاء عطا ہوئی ہے، العلماء ورثة الانبياء ،، علمائے حیل کیطرف سے خلق لكم ما في الارض جميعا ،، کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ تمام بنات آدم محل نکاح ہیں اور نکاح نظیر و مثیل عقد و بیع کے ہے، مہر بمنزلۂ ثمن، اور ایجاب وقبول اور خلوة، تملیک و تصرف کے لئے، اور جب قاضی نے جھوٹے گواہوں سے دہوکا کھا کر یا کسی اور وجہ سے پرائی عورت کو کسی کی منکوحہ قرار دیدیا اور وہ لیکر چلتا بنا تو اس سے بھی یہ ساری باتیں بدرجۂ اتم حاصل ہوگئیں، پس وہ عورت گو قضاء قاضی سے پہلے جھوٹے مدعی کے لئے حرام تھی لیکن اس کے بعد ضرور حلال ہوگئی، عنداللہ بھی کوئی مواخذہ نہیں ہونا چاہیئے ؛

سبحان اللہ، خلق لكم ما في الارض جميعا کی کیا عمدہ تفسیر ہے، اور تحلیل زن اجنبیہ اور جواز مکر و خدعیت کی کیسی عاقلانہ و فلسفیانہ فقاہت ہے ؎

"بریں عقل و دانش بباید گریست"

ستم ظریفی یہ ہے کہ علمار حیل ایسی ابلہ فریبیوں کو اپنی فقاہت کا کمال سمجھتے ہیں اور ایسے استدلال پر بڑا ہی فخر و ناز کرتے ہیں اور اس کو منجملہ ثمرات حسنہ " من يرد الله به خير الفقه في الدين کے قرار دیتے ہیں،

انا لله وانا اليه راجعون

ایسے ہی صدہا نظائر و حوادث ہیں جو علمار حیل کی مکاریوں کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں اور جنکی تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے لیکن ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں، ہاں یہ ضرور بتلانا چاہتے ہیں کہ علمار حیل نے نہ صرف خود ہی افراط و تفریط کی ہے بلکہ بعض ائمہ و اعلام کو بھی جرم مخادعت میں شریک کرنا چاہا ہے؛

مثلاً علامہ حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بحوالہ سلفی بسندہ عن عبداللہ بن مبارک قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالے اور ہارون رشید کے متعلق ایک واقعہ نقل کیا ہے جس کی وثاقت کا ہماری تحقیق میں کوئی ثبوت نہیں کہ ہارون رشید کی خواہش پر قاضی ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے باپ کی مدخولہ عورت کو اس عذر کے ساتھ کہ عورت کے بیان کو کذب پر محمول کیا جائے ہارون رشید کے لئے جائز کر دیا "

دوسرا واقعہ قاضی ابو یوسف کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ زکوۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے ہر سال اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیا کرتے تھے، اور اختتام سال سے پہلے انکی بیوی پھر انکو پھیر دیتی تھیں، اسی طرح پر زکوۃ ساقط سمجھ لیجاتی تھی اس پر طرہ یہ ہے کہ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالے علیہ نے اس واقعہ کو سنا تو فرمایا هذا من فقه "

امام غزالی نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جمع دنیا کے لئے تو یہ بہت اچھی فقاہت تھی مگر آخرت میں اس سے بڑھکر کوئی چیز نقصان پہونچانے والی نہیں ہو سکتی "

بظاہر ان واقعات کو پڑھکر طبیعت کو سخت خلجان ہوتا ہے اور بڑے بڑے لوگوں کی نسبت بدگمانی پیدا ہوتی ہے لیکن اگر ان واقعات پر محققانہ نظر ڈالی جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اور اس قسم کی تمام منسوبات قطعاً غلط، ناقابل اعتماد اور کذب بیانی و بہتان صریح ہیں۔

حضرت قاضی ابو یوسفؒ اور حضرت امام ابوحنیفہ رح کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلے ہے یقیناً یہ سارے حیلے بعد کے علماء حیل کے تراشے ہوئے ہیں جو محض نفس پرستی اور دنیا سازی پر مشتمل ہیں، اسی طرح تصوف کے متعلق صدہا غلط باتیں جنید وشبلی علیہم الرحمتہ والرضوان کی طرف اور تفسیر قرآن کے متعلق حضرت ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد کیطرف

منسوب کی جاتی ہیں حالانکہ ان لغویات سے بزرگان سلف کا دامن صداقت و اتقا بالکل
پاک و صاف ہے اور جن لوگوں نے ان حکایاتِ حیل کو نقل کیا ہے وہ بھی قابل ملامت
نہیں ہیں، اس لئے کہ اس قسم کی باتیں کثرت سے مشہور ہوگئی تھیں اور ان لوگوں نے
بطریق نقل و حکایات انکو لکھا ہے، یہ علماء حیل کی ہی افتراپردازیوں کا نتیجہ ہے کہ آج سخت
و شدید غلطیاں بلکہ گمراہیاں عام طور پر شایع ہوگئیں اور کارخانہ شرع میں فساد و اختلاف
عظیم رونما ہوا، بہت سے ناواقف ہیں کہ عند ابی حنیفہ دیکھکر دہوکا کھا جاتے ہیں،
اور سمجھتے ہیں کہ یہ فرع امام ابوحنیفہ رح کے مذہب میں داخل ہے"

ایسی ہی غلطیوں میں مبتلا ہو کر بعض دانشمندوں نے ایک قاعدہ تجویز کرلیا ہے
جو ہزاروں بے اعتدالیوں کا باعث ہے اور وہ یہ کہ اذا کان فی المسئلة قول لابی
حنیفة وصاحبیہ وحدیث یکون بصحتہ، وجب اتباع قولھم دون
الحدیث لانا نظن بابی حنیفہ وصاحبیہ انھم عارضوا الحدیث مع
صحتہ وصحتہ الاستنباط منہ یعنے اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح ایکطرف ہے
اور دوسری طرف اس کے خلاف امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول تو واجب ہے کہ
حدیث کو چھوڑ دیا جائے اور قول امام کی پیروی کیجائے، کیونکہ آخر کوئی بات تو ہوگی جسکی
وجہ سے انہوں نے ایسا کیا؟ حالانکہ محترم امام نے اپنی ساری عمر اس صدائے حق کے
اعلان و تکرار میں بسر کردی کہ اترکوا قولی لخبر الرسول" یہی وجہ ہے کہ محققین
اہل سنت اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ تمام ائمہ سلف کا دامن علم و عمل بدعت حیل سے پاک
و صاف ہے اور جتنی لغو باتیں انکی نسبت سے کہی جاتی ہیں وہ محض غلط اور بہتان ہیں
آہ! ان صورتوں میں کیونکر ممکن ہے علماء دنیا میں تزکیہ نفس و اخلاق کا ذوق اور صلاح
و تصفیہ باطن کی رغبت پائی جائے اور حق پسندی و خدا پرستی، نیک نیتی و راستبازی
انمیں نظر آئے ؎ "ایں خیال است و محال است و جنوں"

ایسے علما بھی فی الحقیقت طبقۂ "خاسرین" میں سے ہیں"

"خاسر" دنیا و عقبےٰ کی علامت

عارفانِ حقیقت نے "خاسرِ" دنیا و عقبےٰ کی نسبت ایک خاص علامت ظاہر فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص چالیس سال کی عمر سے متجاوز ہو جائے اور اس وقت بھی اسکی نیکیاں اس کے گناہوں پر غالب نہ آئیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ سرشارِ غفلت خسر الدنیا والاخرہ کا مصداق ہے اسکا مسکن دوزخ اور اسکا حصہ عذاب عظیم ہے، ایسے شخص کو آنیوالے خطرناک وقت سے خبردار ہونا اور اپنی خسارت پر اظہارِ ندامت کرنا چاہیئے یا ایھا الانسان ما غرك بربك الكريم الذی خلقك، "اے انسان کس چیز نے فریب دیا اور کس چیز نے بہکا دیا تجھکو تیرے رحیم و کریم پالنہار پروردگار سے" ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ، گر کافر و رند و بت پرستی باز آ ،
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ، صد بار اگر توبہ شکستی باز آ ،

ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجر کبیر

اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا

خاسرین" کا نقصان و خسران ظاہر فرمانے کے بعد حضرت حق عز مجدہٗ نے ارشاد فرمایا "الا الذین آمنوا"، لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے" یعنے وہ نفوس قدسیہ جو بغیر دیکھے ہوئے اللہ پر اور تمام غائبات پر یقین کرتے ہیں (نقصان اور خسارہ سے مصئون ہیں)

"شارع علیہ السلام نے ان سات چیزوں پر یقین کامل رکھنا ضروری فرمایا ہے یعنے اللہ تعالےٰ پر، ملائک پر، کتب سماویہ پر، انبیاء علیہم السلام پر، یوم آخرت پر، قضا و قدر پر،

اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ۔ امنت باللہ وملئکتہٖ وکتبہٖ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت"

ایمان باللہ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں کہ اس کے ہونے کا یقین کیا جائے زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کی جائے کہ بیشک وہ خالق ارض وسما ضرور ہے اس کے بعد اسکی وحدانیت پر یقین کیا جائے کہ بلاشبہ وہ واحد ہے اُس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں، تمام مخلوق کو اسی نے پیدا کیا ہے اور ہر ذی روح کو وہی رزق پہنچاتا ہے، ہر بات پر اس کو قدرت حاصل ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جو چاہیگا کرے گا، وہ بےمثل ہے، بے جسم ہے، ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ سے مبرا ہے، لیکن سب کچھ دیکھتا ہے اور سب کچھ سنتا ہے، تمام حاجتوں سے مستغنی اور منزہ ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا، نہ آسمانوں میں رہتا ہے نہ زمینوں میں، بلکہ ہر جگہ موجود ہے، دنیا میں اسکو دیکھنے کی کسی کی مجال نہیں، ہاں یوم آخرت میں خوش نصیب اور صالح بندے چشم بصیرت سے اس کا جلوہ دیکھیں گے، اس کا دنیا میں نظر نہ آنا قابل استعجاب نہیں بہت سی چیزیں ہیں جنکے وجود کا ہر ذی عقل کو اقرار ہے لیکن نظر نہیں آتیں، مثلاً "ہوا" ہے کسیکو نظر نہیں آتی، "روح" ہے اور اس کا تسلط تمام جسم پر ہے لیکن دکھائی نہیں دیتی، جسم میں درد ہوتا ہے لیکن کسیکو دکھائی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا تسلط بھی تمام زمین و آسمان میں ہے وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن نظر نہیں آتا،

حضرت فاضل اجل علامہ شیخ طاہر بن صالح الجزائری الجوہرۃ الکلامیہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو دلی یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تمام صفات کمالیہ بدرجۂ اتم موجود ہیں اور اسکی ذات تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ قدیم سے موجود ہے اور ہمیشہ رہیگا، اسکی ذات حوادث یعنے مخلوقات کے ساتھ کسی طرح مشابہت نہیں

رکھتی اور اس کا قیام خاص اسکی ذات سے ہے وہ بیشک یکتا ہے اور حیات، علم، قدرت، ارادہ، سماعت، بصارت اور تکلم اس کو حاصل ہے، اس لئے اسکو حیّ، علیم، قادر، مرید، سمیع، بصیر، متکلم کہتے ہیں، اس سوال کا جواب کہ خدا تعالےٰ نظر نہیں آتا نہایت آسان ہے، میں کہتا ہوں، اگر خدا تعالےٰ کا وجود اس حواس ظاہری سے معلوم ہو سکتا تو نہ سائل کو سوال کی ضرورت پڑتی اور نہ اسکا وجود ثابت کرنے میں کسی عقلی دلیل کی ضرورت ہوتی الیکن جبکہ اس کا وجود ایسا نہیں ہے کہ حواس ظاہری سے اسکا ادراک ہو سکے تو لامحالہ اس جوہر خدا داد سے کام لیا جائیگا جس کا نام عقل ہے کیونکہ وہ حق تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اسیوجہ سے عطا فرمائی ہے کہ جو چیزیں حواس ظاہری سے معلوم نہ ہو سکیں، اونکو انسان اس شمع الٰہی کے نور سے دریافت کرلے پس جبکہ انسان تمام عالم کے کارخانہ کو دیکھتا ہے، جس میں یہ خود بھی شامل ہے اور اس میں اور اپنے آپ میں ہر آن ایک نیا انقلاب پاتا ہے اور تمام عالم کو اور اپنے آپ کو باعتبار وجود بقا کے کسیکا محتاج دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اور تمام مخلوقات کو کسی زبردست طاقت کے سامنے بہمہ وجوہ بے بس اور لاچار سمجھتا ہے اسوقت باعتبار فطرت سلیمہ کے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ یہ تمام عالم کا کارخانہ ضرور کسی ذات عالی کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ ایک بے مثل اور نہایت قوی ہستی ہے کہ جسکا قبضہ تمام موجودات میں جاری وساری ہے، اور اسی کے اشاروں پر تمام عالم کے مختلف کارخانے چل رہے ہیں ہر ایک چیز اپنے وجود و بقا میں اسی کی محتاج ہے وہ سب سے بے نیاز ہے اور اس کا وجود و بقا خاص اسی کی ذات سے ہے اور وہی واجب الوجود ہے۔ اسکو کسی طرف سے اصلا لگاؤ نہیں، پس ایسی بے مثل ہستی کو ہم خدا جانتے ہیں اور اُسیکو معبود برحق اور موجود مطلق مانتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہر شے سے پیشتر موجود تھا۔

کسی وقت میں وہ معدوم نہوگا، اس کا وجود ازل سے چلا آتا ہے، کوئی زمانہ اس کے وجود کے شروع ہونیکا نہیں ہے، اور جس کا وجود ابتدا میں غیر متناہی زمانہ میں ہو وہ قدیم ہے،، اسکی انتہا کے زمانہ کی انتہا نہیں اور وہ ہمیشہ رہیگا، کسیوقت میں ناپید نہ ہوگا، اسواسطے وہ باقی ہے، خدا کی ذات وصفات اور اس کے کاموں میں مخلوقات میں سے کسی شے کو مشابہت حاصل نہیں اور جو کہ مشابہت ہے بھی وہ محض برائے نام ہے، جیسے خدا تعالےٰ علیم ہے اور زید کو بھی عالم کہتے ہیں، لیکن خدا کے علم سے زید وغیرہ کے علم کو کیا نسبت، ایسے ہی خدا کے وجود اور اس کی صفات کو خیال کر لینا چاہیئے، آیہ کریمہ لیس کمثلہ شیئ اس مضمون پر شاہد ہے۔

خدا کی ذات تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اسکو نہ جوہر کہہ سکتے ہیں اور نہ عرض اور تمام مخلوقات کی یہ حالت ہے کہ ہر شے یا جوہر ہے یا عرض، جوہر وہ ہے جس کا قیام خاص اسی کی ذات سے ہو اور عرض وہ ہے جسکا قیام غیر کی ذات سے ہو، خداوند تعالےٰ کی ایسی ذات ہے کہ جب کچھ نہ تھا جب بھی وہ موجود تھا اور جب کچھ نہ رہیگا جب بھی وہ موجود رہیگا۔ اس لئے وہ سب سے بے نیاز اور ممتاز ہے، خدا کو جوہر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ گوشت پوست واستخوان اور خون سے نہیں بنا ہے، جیسا کہ جسم ان چیزوں سے مرکب ہے، اور نہ خدا کسی کان سے نکلا ہے اور نہ کسی اُگنے والی چیز سے پیدا ہوا ہے، اور نہ ماسوا ان اشیاء کے اور کسی چیز سے، اسلئے اُس کو جوہر نہیں کہہ سکتے، خدا کی ذات اس امر سے بھی منزہ ہے کہ وہ ان اعراض سے متصف ہو کہ جن سے جوہر متصف ہوتا ہے۔ اس لئے خدا کو شکل اور رنگ اُٹھنے بیٹھنے کھانے یا پینے یا کسی درد یا لذت کے ساتھ متصف نہ کرینگے اور نہ خدا کسی چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے، اور نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسیکا بیٹا، غرضکہ جن صفات سے کہ جواہر اور اجسام متصف ہوتے ہیں اُن سے خدا تعالیٰ ہرگز

متصف نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں تغیر واقع ہوتا ہے، جو اسکی قدیمی اور دائمی ذات کے منافی ہے" خدا کا علم اور اسکی قدرت اور اس کا ارادہ اور اس کی حیات....... اور اس کا سننا اور دیکھنا اور کلام کرنا ہمارے علم اور ہماری قدرت اور ہمارے ارادے ہماری حیات اور ہمارے سننے دیکھنے اور کلام کے مشابہ نہیں ہے، چہ نسبت خاک را با عالم پاک" ہماری اور اسکی صفات میں حدوث و قدم و متناہی وغیرہ کا تفاوت ہے اس وجہ سے خدا کی صفات مخلوقات کی صفات سے بالکل خلاف ہیں، خدا کے افعال مخلوقات کے افعال سے اس لئے مشابہت نہیں رکھتے کہ خدا تعالےٰ سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ بدون واسطہ اور بلا اعضاء اور بغیر مدد او وزاروں کے وقوع میں آتے ہیں، اس کا تو یہ درجہ ہے کہ جس چیز کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔ فقط لفظ کن کہدینے سے فی الفور وہ شئے پردۂ عدم سے وجود میں جلوہ گر ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں خدا تعالےٰ جو کسی شئے کو موجود کرتا ہے اسکی طرف اسکو احتیاج نہیں ہوتی بلکہ محض اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے وہ کسی کو موجود یا معدوم کرتا ہے اور نہ اس کا کوئی کام بے فائدہ ہوتا ہے، بلکہ اس کے ہر ایک کام میں سراسر حکمت بھری ہوتی ہے کیونکہ وہ حکیم ہے"

فی الحقیقت حق سبحانہٗ تعالےٰ تمام اشیاء میں سے کسی کا محتاج نہیں یعنی نہ وہ محتاج مکان ہے اور نہ وہ کسی جائے حلول کی احتیاج رکھتا ہے، بلکہ تمام مخلوقات میں سے کسی شئے کیطرف اصلا اسکو احتیاج نہیں..... وہ ہر شئے سے بے پرواہ ہے اس لئے وہ خود اپنی ذات سے قایم ہے" اللہ تعالےٰ کی حیات ہماری جیسی زندگانی نہیں ہے، اس لئے کہ ہماری زندگانی بہت سے وسائط پر موقوف ہے، جیسے کہ دوران خون اور سانس کی آمد و شد اور کھانے پینے پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے، اور خدا کی زندگی کسی واسطہ پر موقوف نہیں ہے اور اسکی زندگی قدیم اور باقی ہے، کبھی اسکی

حیات میں ناپیدی اور تغیر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ ازلی وابدی زندہ ہے، اور واحد و یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی اس کا نظیر و مثیل اور نہ مقابل اور نہ کوئی اس کا معاند ہے، کیونکہ اگر عالم میں دو خدا ہوتے تو یہ عالم کا کارخانہ کبھی کا درہم برہم ہو جاتا، کیونکہ دو خود مختار ایک عالم میں نہیں ہو سکتے اور جو دوسرا تابع ہو وہ خدا ہونے کے لائق نہیں، حق تعالے علیم ہے اور ہر شے کا اسکو کمال کے ساتھ علم ہے، تمام اشیار کو باعتبار ظاہر اور باطن کے جانتا ہے، وہ تمام ریتوں کو ذرے اور بارش کے قطرے تمام درختوں کے پتے اور ان کے رگ وریشہ تک کو جانتا ہے، اور ہر ایک پوشیدہ و مخفی چیز سے واقف ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور اس کا علم نو پیدا نہیں بلکہ وہ دونوں عالم کی تمام اشیار کو انکے وجود سے پیشتر جانتا ہے؟

اللہ تعالے قدرت کے ساتھ موصوف ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، اور اسکی قدرت کے سامنے چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک اور ذرہ سے پہاڑ تک کا پیدا کرنا برابر ہے اور وہ لحظ بھر میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی مانند پیدا کر دینے پر قدرت رکھتا ہے ایسے ہی وہ ایک لمحہ میں تمام آسمانوں اور زمینوں کے درہم برہم کر دینے پر قادر ہے، خدا تعالے ارادہ کے ساتھ موصوف ہے، کوئی شے بدون اس کے ارادے کے وقوع میں نہیں آسکتی، جس چیز کا وہ ارادہ کرتا ہے پس وہ ہو جاتی ہے، اور جس کا وہ ارادہ نہ کرے اس چیز کا ہونا کسی طرح ممکن نہیں، حق تعالے سمیع ہے، اور وہ ہر ایک کی سنتا ہے خواہ وہ پکار کر کہے یا پوشیدہ وہ صاف پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز کو سنتا ہے، لیکن اس کا سننا مثل ہمارے سننے کے نہیں، کیونکہ ہمارا سننا کان کے ذریعہ سے ہے، اور اس کا سننا کسی وسیلہ پر موقوف نہیں، اگر اسکی حقیقت کا حقیقی علم اسکی ذات کو ہے؟ خدا تعالے بصیر ہے، وہ ہر ایک شے کو دیکھتا ہے، حتے کہ اندھیری رات میں جو سیاہ چیونٹی چلتی ہے، یا اس سے بھی کوئی چھوٹی چیز ہو وہ اسکو بھی دیکھتا ہے۔

اسکی [illegible] یا اُن سے علاوہ کوئی چیز ہو اس سے مخفی
نہیں، لیکن اس کا دیکھنا ہمارا جیسا دیکھنا نہیں، کیونکہ ہمارا دیکھنا آنکھ کے ذریعہ سے ہوتا
ہے، اور خدا تعالے اس سے منزہ ہے" خدا کے کلام کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ
متکلم ہے، لیکن اس کا کلام ہمارا جیسا کلام نہیں، کیونکہ ہمارا کلام بواسطہ دہن وزبان
اور لبوں کے ہے، اور خدا تعالے کا کلام بدون ان آلات کے ہے۔ اور اس کا کلام
غیر مخلوق اور غیر حادث ہے، اور ہمارا کلام مخلوق یعنے اسی کا پیدا کیا ہوا اور حادث ہے"
جن صفتوں سے خدا تعالے کا متصف ہونا محال ہے وہ یہ ہیں، عدم اور حدوث
اور فنا اور مخلوقات سے مماثلت اور غیر کی طرف محتاج ہونا اور کسی کا اسکی ذات و
صفات میں شریک ہونا اور عاجزی اور بغیر اس کے ارادے کے کسی شے کا ہونا
اور انجان ہونا یا جھوٹا ہونا، اور مرنا اور گونگا و بہرا و اندھا ہونا اور ایسے ہی دوسرے
نقصانوں کا اسکی ذات سے تعلق ہونا محال ہے، اس لئے کہ یہ نقصان کی صفتیں
ہیں اور خدا تعالے تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے، صفات نقصان سے اُسکی
ذات ہر طرح سے مبرا اور منزہ ہے" مخلوقات کی حالت میں جس قدر تغیر و تبدل ہوتا
ہے، وہ سب من جانب اللہ ہوتا ہے، مثلاً انسان کا غنی یا فقیر کرنا، یا اس کو معزز یا ذلیل
کرنا یا تندرست یا بیمار یا جاہل یا عالم اس کو کرنا، یا اور ایسے ہی جو جو تصرفات خدا تعالیٰ
اپنی مخلوقات میں کرتا ہے ایسے امور کا خدا تعالے کی ذات سے صادر ہونا جائز ہے،
کیونکہ اس کا ہر ایک قسم کا تصرف اس کے ملک میں ہوتا ہے، جو بہر صورت جائز ہے"
قرآن مجید میں الرحمٰن علے العرش استوی جو آیا ہے تو استویٰ کے معنے غلبہ اور
ملک کے ہیں، یعنے عرش بھی خدا تعالے کا مقہور اور مغلوب اور مملوک ہے، کیونکہ وہ خدا
تعالے کا پیدا کیا ہوا ہے، اور خاص طور پر عرش ہی کو اس لئے بیان کیا کہ عرش تمام
آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے، جب یہ ثابت ہوا کہ خدا کا تسلط عرش پر ہے تو جن

تیسرے دلیل پر عرش مجید پر بیٹھا ہے، اللہ پر خدا تعالیٰ کی تشبیہ بندے جسم او سکے لئے ثابت ہوگا، اور اس
اس سے یہ مراد نہیں کہ خدا تعالے عرش پر بیٹھا ہے، کیونکہ بیٹھنا اور اٹھنا جسم کی صفات
میں سے ہے اور خدا تعالے ایسی صفات سے پاک ہے۔

قرآن مجید میں کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ
تو آیت مذکورہ میں وجہ کے معنے ذات مقدس کے ہیں، یعنے ہر شے جو کہ زمین پر ہے سب
فنا ہو جائیگی، مگر ذات پاک الٰہی باقی رہیگی، جو صاحب جلال اور بخشش والی ہے اور اسکے
یہ معنی نہیں کہ خدا کا چہرہ بھی مثل ہمارے چہرہ کے ہے، کیونکہ وہ اس امر سے پاک ہے کہ اسکے
چہرہ ہو یا اور کوئی عضو کہ جس کی احتیاج مخلوقات کو ہے، اس کے ہو۔

یہ تاویلات استوا اور وجہ کی پچھلے علما نے کی ہیں، اس لئے کہ قرآن پاک جس زبان میں
نازل ہوا ہے اسمیں بعض مواقع پر مجازی معنی لینا اور کنایہ سے بولنا اہل زبان کے نزدیک
رائج ہے، ایسے مواقع پر اسکو کلام کا حسن سمجھتے ہیں، مگر سلف کے علما خدا کے لئے عرش پر
مستوی ہونا اور اسکے لئے آنکھ اور چہرہ کے ہونے کو ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن شریف کے
الفاظ ظاہری سے ظاہر ہوتا ہے، وہ لوگ ان الفاظ کی تاویل نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں
کہ جو خدا تعالے نے فرمایا حق ہے، لیکن ہم ان الفاظ کے حقیقی معنے کو نہیں سمجھ سکتے،
ان الفاظ کا حقیقی علم خدا تعالے ہی کو حاصل ہے، باایں ہمہ وہ خدا کی ذات کو مخلوقات کے
ساتھ مشابہ ہونے سے مبرا و منزہ جانتے ہیں، کیونکہ خداوند تعالے کا مخلوقات کے ساتھ
مشابہ ہونا محال ہے، پس اس موقع پر سمجھ لینا چاہئے کہ علمائے سلف رحمہم اللہ تعالے کا مذہب
کہ جو وہ لوگ ان الفاظ کی تاویلات نہیں کرتے اور ان الفاظ کے علم حقیقی اور اصلی مراد کو خداوند
تعالیٰ کی طرف سونپتے ہیں نہایت پختہ مذہب ہے، کیونکہ اس میں نفس کو اپنے من گھڑت باتوں
سے ترا شنے کی راہ نہیں ملتی اور پچھلے علما کا مذہب کہ وہ ان الفاظ کی تاویل کرتے ہیں، سلف
سلامت روی کا راستہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو ان الفاظ کی تاویل کردی اس سے خداوند

تعالیٰ کی مشابہت مخلوقات کے ساتھ جو ان الفاظ سے متبادر ہوتی تھی جاتی رہی،،

ایمان بالملائکہ

جمیع ملائکہ لطیف الجسم ہیں، اور نور سے انکی پیدائش ہے، نہ وہ کھاتے پیتے ہیں، نہ انہیں علامت مرد اور عورت ہونے کی ہے، وہ خدا کے معزز بندے ہیں، جو ان کو خدا تعالےٰ کا حکم پہنچتا ہے اس میں اصلاً نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ وہی کرتے ہیں جو انکو حکم صادر ہوتا ہے، بجز انبیاء کے انکو اصلی صورت پر کوئی بشر نہیں دیکھ سکتا، اس لئے کہ وہ لطیف الجسم ہیں، دیکھو ہوا اُن سے کہیں کثیف الجسم ہے، ہماری نظر ہوا کے دیکھنے سے بھی قاصر ہے، بلکہ جو پانی میں کیڑے نہایت چھوٹے یا بھنگے ہوا میں کثیف الجسم ہیں کیونکہ وہ اربعہ عناصر سے مرکب ہیں ہم ان کو یا ان کے رگ و ریشہ کو بھی بدون خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ہاں جس وقت کہ فرشتے آدمی کی صورت پر متشکل ہوجاتے ہیں جیسے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی دحیہ الکلبی کی صورت پر آتے تھے، یا کوئی اور فرشتہ بدوی شکل میں آتا تھا، تو اسکو علاوہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی دیکھتے تھے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا فرشتوں کو اصلی صورت پر دیکھنا انکی خصوصیت خاصہ کیوجہ سے تھا کہ وہ بوجہ درجۂ نبوت اور لوگوں سے اپنی خصوصیت کے سبب ممتاز تھے، بہت سے دینی مسائل اور شرعی احکام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل کی شکل انسانی پر آنے کی حالت میں حاصل ہوئے ہیں اور یہ تو خود ہے کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتے اصلی صورت پر نظر آجاتے ہیں دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آتے یہ کوئی عجیب بات نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے، اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے علاوہ انبیاء کے تمام بنی آدم کے اندر جملہ قوتوں میں تفاوت رکھا ہے کوئی شخص نہایت گویا ہوتا ہے، اسی کا حقیقی بھائی اسقدر فصاحت و بلاغت سے

نہیں بول سکتا، علےٰ ہذا القیاس دیکھنے، سننے، چلنے، سمجھنے، سونگھنے وغیرہ اوصاف میں حقیقی اور خاندانی اور ملکی بھائی کس قدر مختلف الاحوال ہوتے ہیں، پس اگر خداوند قادر علے الاطلاق کسی زمانہ میں کسی شخص کو تمام اقران پر باعتبار ظاہری اور باطنی حواس کے فائق فرماوے تو عقل سلیم اسکو کسیطرح خلاف نہیں جان سکتی، جیسے کہ ہر زمانہ کے نبی کو اسکے اقران سے ممتاز فرمایا، ایسے ہی اگر ایک شخص خاص کو ہر زمانہ کے ممتاز لوگوں سے حق تعالےٰ تمام قویٰ اور صفات میں ممتاز فرماوے تو بھی عقل اس امر کو نہایت خوشی سے مسلم رکھیگی، جیساکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سے ممتاز فرمایا، پس فرشتوں کا اصلی صورت پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیاء علیہ السلام کا دیکھنا کسی طرح بعید از عقل نہیں۔

خدا کے لشکروں میں سے فرشتوں کا لشکر ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے پیشتر ہزارہا میل طے کرجاتے ہیں، اور بڑے بڑے پہاڑوں اور شہرونکو بلا تکلف اٹھا لیتے ہیں، فرشتوں کی رفتار کا مسئلہ بجلی کے کوندنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے بجلی پلک جھپکنے سے پیشتر کبھی شرق کبھی غرب گاہے جنوب گاہے شمال میں چمک جاتی ہے، اور دوسرا مسئلہ ایک حقیر چیونٹی کے مشاہدہ سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے جسم سے کہیں زائد شے کو بتکلف اٹھالیجاتی ہے، خداوند تعالےٰ کے سوا فرشتوں کی تعداد کوئی نہیں جانتا، خیال توکرو انسان فرشتوں کی تعداد کو کس طرح جانے جبکہ وہ اس کو نظر نہیں آتے وہ پہلے اپنے بدن کے رونگٹوں کی تعداد تو بتلائے جنکو وہ ہر وقت دیکھتا رہتا ہے؟

بعض فرشتونکو تو پیام رسانی کیخدمت سپرد ہے کہ وہ خداوند تعالےٰ کی طرف سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وقتاً فوقتاً پیغامات پہنچاتے ہیں، جیسے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور بعض فرشتے بندوں کی حفاظت کا کام انجام دیتے ہیں اور بعض فرشتے بندگان خدا کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں اور بعضے جنت اور اسکی نعمتوں کی حفاظت پر مقرر ہیں۔

اور بعض دوزخ اور اس کے عذاب پر متعین ہیں، اور بعض عرش معلّےٰ کے اٹھانے کی
خدمت پر مامور ہیں، اور بعض کے حوالہ بندگان الٰہی کے دنیوی امور کا انتظام ہے یہ
ہی فرشتے قسم قسم اور رنگا رنگ کی صورتیں حسب الحکم جل علٰہٗ شانہ عورتوں کے
ارحام میں بناتے ہیں اور بعضے صرف تسبیح و تہلیل و تکبیر و تحمید اور دیگر طاعات میں
مشغول رہتے ہیں"

ایمان بالکتب سماویہ

کتب سماویہ سے مراد وہ تمام کتابیں اور صحائف ہیں، جنکو منزل من اللہ کہا جاتا ہے
مثلاً قرآن حکیم کہ جو حضور خاتم النبیین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے
اور جسمیں احکام الٰہیہ موجود ہیں، اور توریت، زبور، انجیل، اور وہ تمام صحائف جو
مختلف پیغمبروں پر نازل ہوئے، انکے متعلق یقین کرنا چاہیئے کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے
ہی انکو پیغمبروں پر نازل فرمایا، تاکہ لوگ ہدایت حاصل کریں،،

توریت، زبور، انجیل کے جو اصلی نسخے ہیں وہ بے شک منزل من اللہ ہیں لیکن
آجکل جو اہل الکتاب فرقوں کے پاس نسخے پائے جاتے ہیں وہ محرف ہیں اور خود غرض لوگوں
نے ان میں بہت کچھ تحریف کر دی ہے، توریت میں تحریف کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ
آخری باب میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کے انتقال فرمانے کا حال بھی درج ہے
اسکے علاوہ یوم الآخرت اور جزا و سزا کا بالکل ذکر نہیں ہے،

اسی طرح زبور کی نسبت یقین رکھنا چاہیئے کہ جو اصلی زبور ہے وہ بیشک منزل
من اللہ ہے لیکن موجودہ نسخے محرّف ہیں، اور اہل زبور کے پاس کوئی یقینی دلیل اس
امر کی نہیں کہ انکے پاس کوئی نسخہ صحیح موجود ہو،،

انجیل کی نسبت بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیئے کہ اصل کتاب تو بیشک منزل من اللہ

ہے جسمیں اشیاء عالم کی حقیقتوں کا بیان ہے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم دی گئی ہے، زہد
واتقا ضروری بتلایا گیا ہے، حضرت خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے
کی بشارت درج ہے، لیکن جو انجیل کہ آجکل عیسائیوں میں متداول ہے جسکے چار
نسخے ہیں اور چاروں کے مولف علیحدہ علیحدہ ہیں یعنے متی، مرقس، لوقا اور یوحنا تمام
نسخے بے انتہا محرف ہیں اور چاروں میں اس قدر اختلاف ہے کہ تحریف کے مزید ثبوت کی
بالکل ضرورت نہیں، اسکے علاوہ خود عیسائیوں کے مقتدر علماء اور محققین کو اعتراف
ہے کہ بیشک انجیل میں بہت زیادہ تحریف کیگئی ہے، عیسائی محققین کے سرتاج پادری
"سکاٹ" صاحب نے چاروں انجیلوں کو محرف تسلیم کیا ہے، مسٹر جی، ایس فولز جو بڑے
پایہ کے عیسائی محقق ہیں اور انجیلوں کے مفسر بھی ہیں لکھتے ہیں "تثلیث کا مسئلہ تو یقینی الحاقی
ہے، اناجیل میں بس اسی قدر تحریف ہے"

پادری "میتھو" نے بائبل مطبوعہ ۱۸۶۹ء کے حاشیہ پر لکھا ہے، مقدس انجیل کی وہ
تمام عبارتیں جنسے تثلیث ثابت ہوتی ہے یقیناً الحاقی ہیں، جو نا ہنجار لوگوں نے بڑھا دی

"قرآن مجید" تمام کتب سماویہ میں سب سے زیادہ اشرف واکمل ہے اور یہ تمام
شریعتوں کا جو مختلف زمانوں کے اقتضاء اور بمصالح وقتیہ کے سبب جاری ہوئی تھیں
ناسخ ہے اور اسکا حکم قیامت تک جاری اور نافذ رہیگا، اسکے بعد کوئی کتاب کسی شخص
پر آسمان سے نہیں اتریگی، اور اس میں اصلا تغیر و تبدل قیامت تک نہوگا، یہ وہ
ہے جو امت محمدیہ علے صاحبہا الف الف صلوۃ والسلام کے پاس بجنسہ موجود ہے اور
شرف تمام امتوں میں سے امت محمدیہ ہی کو حاصل ہے کہ انکے پاس آجتک اسی ز
کی کتاب موجود ہے، جس زبان میں وہ نازل ہوئی تھی اور اسمیں باوجود صدہا برس گذ
ایک زبر یا زیر بلکہ ایک نقطہ تک کا بھی فرق نہیں آیا اور نہ انشاء اللہ تعالے تا قیام قیا
کسی قسم کا فرق آئیگا، اور یہ قرآن پاک ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

پر علاوہ دیگر معجزات کے بذات خاص ایک بڑا بھاری معجزہ ہے، قرآنِ پاک کی معجز بیانی
کو ہمیشہ سے ہر کوئی موافق و مخالف مانتا چلا آیا ہے، وہ ایک عقلی معجزہ ہونے کے علاوہ
ابدالآباد تک باقی رہنے والا ہی اور ہر ایک ذیعقل اسکو چشم بصیرت سے ہر وقت
مشاہدہ کر کے اسکی معجز بیانی کا قائل ہو سکتا ہے، اس کے سوا اور جس قدر معجزات ہیں وہ
اپنے وقت کے گذرنے سے گذر گئے، انکا وجود صرف اخبار و آثار کے ذریعہ سے پایا جاتا ہی"
قرآن شریف کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ فصاحت و بلاغت کے ایسے درجہ پر
واقع ہوا ہے جو انسانی طاقت سے خارج ہی کیونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم عربوں
کے ساتھ جو تمام قوموں کی نسبت زیادہ تر فصیح و بلیغ تھے اور جنکی فصاحت لسانی اور
جادو بیانی پر لوگوں کی عقلیں متحیر تھیں، اُنسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ۲۳ برس تک تحدی
اور طلب معارضہ فرماتے رہے اور انکی ہمتوں کو اکساتے اور ان کی غیرتوں کو بھڑکاتے اور
قرآن مجید کے ساتھ معارضہ کرنے پر آمادہ کرتے رہے، چنانچہ کبھی آپ اُنسے یہ فرماتے کہ
قرآن کے مثل ایک چھوٹی سی صورت ہی بنالاؤ اور تمام جن وانس سے اس کام میں مدد لیلو
اور کبھی اُنسے یہ فرماتے کہ تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، سورت کی مقدار بنانے کی تو تمہاری
کیا صورت ہے ایک آیت ہی مثل قرآنی آیتوں کے بنالاؤ، لیکن تاہم وہ مثل قرآن شریف
کے ایک آیت بھی بنانے سے عاجز رہے، حیظ و غضب میں آکر کلام کا مقابلہ چھوڑ کر تلوار
کے مقابلے پر اتر آئے، اور فصاحت بیانی سے عاجز آکر محاربہ ستانی پر تل گئے"
پس جبکہ اُس زمانہ کے عرب لوگ جنکی فصاحت و بلاغت کا چار دانگ میں ڈنکا بج
رہا تھا کلام اللہ شریف کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو گئے تو پھر دیگر ممالک کے لوگوں سے یہ
توقع کیونکر ہو سکتی ہے، اسوقت قرآن شریف کو تیرہ سو برس سے زیادہ نازل ہوئے
ہو چکے اُسوقت سے اسوقت تک کوئی ایسا فصیح و بلیغ نہیں گذرا جو اسکی ہمثیل فصاحت
و بلاغت کو طوعًا و کرہًا تسلیم نہ کرتا ہو، اس سے صاف ثابت ہوتا ہو کہ یہ کسی انسان کا

کلام نہیں، بلکہ یہ اس خالق یکتا کا کلام ہے جو تمام قوتوں اور قدرتوں کا پیدا کرنیوالا ہے، اور اس قادر بیمثل نے اپنے پیغمبر کی تصدیق کیلئے یہ قرآن پاک نازل فرمایا ہے۔

صرف قرآن شریف کے معجزہ ہونیکے لئے ایک یہی وجہ کافی ہے جو اوپر بیان کیگئی، مگر اسکے علاوہ اور بھی اسکے اعجاز کی وجوہ ہیں، اوّل یہ کہ قرآن مجید میں بہت سی غیب کی خبریں دیگئی ہیں، جنکی تصدیق حوادث عالم سے ہوچکی ہے، دوّم یہ کہ خواہ اسکو کتنی ہی بار مکرر سہ کرر پڑھا جائے ہرگز دل نہیں اکتاتا، سوّم یہ کہ اسمیں ایسے علوم پائے جاتے ہیں جو اسوقت میں موجود نہ تھے، چہارم یہ کہ اسمیں بہت قدیم زمانہ کے واقعات اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم محض امی تھے اور رسمی لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتے تھے۔ ایسے شخص کے منہ ایسے بیمثل کلام کا نکلنا فی الحقیقت آپکی نبوۃ پر بڑا بھاری معجزہ ہے، اور بیشک وہ خدا کا کلام ہے، اور خدائی کلام کا معجز بیان ہونا ہر ذی شعور پر ظاہر ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام!

اللہ تعالےٰ کے پیغمبروں کی نسبت یہ یقین رکھنا چاہئے کہ وہ مقبول بندے ہیں، انکو اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے خلقت کی ہدایت کے واسطے بھیجا، انہوں نے لوگوں کو اللہ کی رضامندی اور اطاعت کی تعلیم دی، نجات آخرت کی خوشخبری سنائی اور عذاب آخرت سے ڈرایا، توحید کو پھیلایا اور کفر و شرک مٹایا، سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعداد کسیکو تحقیق نہیں، قرآن حکیم میں صرف پچیس انبیاء کرام کا ذکر آیا ہے، جنکے اسماء گرامی یہ ہیں۔

آدمؑ، ادریسؑ، نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ،

یوسف[۱۱]، ایوب[۱۲]، شعیب[۱۳]، موسیٰ[۱۴]، ہارون[۱۵]، ذوالکفل[۱۶]، داؤد[۱۷]، سلیمان[۱۸]، الیاس[۱۹]، یسع[۲۰]،
یونس[۲۱]، ذکریا[۲۲]، یحییٰ[۲۳]، عیسیٰ[۲۴]، محمد[۲۵] (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

ان کے اسمار شریف کا یاد کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہی یہ بزرگ علاوہ نبی ہونے کے رسول بھی تھے، نبی کی تعریف یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اس کو صراطِ مستقیم پر قایم فرماکر اپنی رضامندی اور ناراضی کے کاموں پر مطلع فرمائے اگرچہ اسکو یہ حکم نہو کہ یہ باتیں تم دوسروں کو بھی پہونچاؤ، اگر دوسروں کو ہدایت کرنے کا حکم بھی ملا تو نئی کتاب اور نئی شریعت عطا نہیں فرمائی بلکہ کسی رسول کی پیروی اور باتباع شریعت کا حکم دیا گیا"

رسول کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اسکو شریعت عطا فرماتا ہے، اور اسپر جدید احکام نازل فرماتا ہے، دوسروںکو عذاب آخرت سے ڈرانا اور راہ راست بتلانا اسکا فرض ہوتا ہے

ہر رسول کو نبی (خبر پہونچانیوالا) کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر نبی کو رسول نہیں کہہ سکتے ۔۔

انبیار علیہم السلام کے معجزات

معجزہ اسکو کہتے ہیں جو انسانی طاقت سے فائق کوئی کام ایسے شخص سے ظاہر ہو جو نبوت کا دعوےٰ کرتا ہو، اور تمام منکر لوگ باوجود سعی بلیغ اور ساری طاقت خرچ کر دینے پر بھی ویسے کام کرنے سے عاجز ہیں"

خدا تعالےٰ نے جو اپنے انبیار کے ہاتھوں پر معجزے ظاہر فرمائے انمیں یہ حکمت رکھی گئی ہے کہ ان معجزات سے ان انبیار کے دعوےٰ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے، کیونکہ جس دعوے کیساتھ کوئی دلیل نہ ہو وہ دعوےٰ نہیں سنا جاتا،، اور معجزات ہی کے باعث سے نبی صادق اور کاذب میں تمیز ہو جاتی ہے ،،اور یہی معجزہ خدا تعالےٰ کا ایک سچا گواہ نبی کے ساتھ ہوتا ہی جو اپنی زبان حال سے کہتا ہی کہ یہ شخص نبی برحق ہی اور یہ معجزہ قایم مقام خدا تعالےٰ کے اس قول کے ہوتا ہے کہ یہ میرا بندہ میرا ہی بھیجا ہوا ہی اور یہ اپنے دعوے میں سچا ہے"

اسمیں اصلا شبہ نکرنا چاہیئے؛

یہ امر کہ معجزہ انبیا رکی صداقت اور اسبات پر کیونکر دلالت کرتا ہو کہ معجزہ خدا تعالےٰ کے اس قول کے قایم مقام ہے کہ یہ میرا بندہ اپنے دعوئے نبوت میں سچا ہے، ایک مثال سے بخوبی سمجھہ میں آجائیگا، اگرچہ خدا تعالےٰ کی ذات ہر ایک مثال سے برتر ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص ایک جلیل القدر اور رفیع الشان بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو جہاں پر بڑی بھاری مجلس آراستہ ہو، وہ شخص حاضرین کو خطاب کر کے کہے کہ میرے پاس اس بادشاہ عظیم الشان کے تمہاری طرف کچھ پیغام ہیں اور مجھے اس نے اپنا امین بنایا ہے۔ تاکہ میں اس کے پیاموں کی امانت میں اصلا کمی بیشی نہ کروں، اور مجھکو اس نے اس خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ میں تمکو اس کے وہ پیغامات پہنچاؤں اور دیکھو یہ میرے سچے ہونے کی علامت ہو کہ اگر میں اس سے یہ چاہوں کہ جو اس نے اپنی سلطنت کا نظام قایم رکھا ہے اس میں سے کسی صیغہ کے انتظام کو میرے عرض کرنے پر بدل ڈالے تو بیشک یہ بادشاہ بسبب اپنی خاص عنایت کے ایسا ہی کرے گا اور وہ بادشاہ کرمًا مرۃً اس شخص کی درخواست پر ایسا ہی کرے تو بالیقین تمام حاضرین کو اسکی سچائی پر کلی یقین ہو جائیگا، اور اس بادشاہ کا کسی اپنے خاص انتظام کو اس کی درخواست پر بدل دینا بیشک اس قول کے قایم مقام ہو گا کہ یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہے اور کسیکو اسکے بعد اصلا شبہ باقی نہ رہیگا، کہ یہ اس بادشاہ کا ایلچی ہے اور جو کچھہ یہ کہتا ہے بلاریب وہ بادشاہ کا فرمودہ ہی ؏

پس ایسا ہی دعوے انبیا رعلیہ الصلوٰۃ والسلام نےاپنی قوم سے کہا کہ ہم تمہاری طرف خدائے ذوالجلال کے بھیجے ہوئے آئے ہیں، اور حق تعالےٰ ان کے دعوے کو جانتا ہے، اور ان کے اقوال سنتا ہے، اور ان کے احوال دیکھتا ہے پس جب وہ نبی کفار کے نرغہ میں اگر خدا سے کوئی معجزہ طلب کرتا ہے تو قادر مطلق اس سے ایسے ایسے

معجزات ظاہر فرماتا ہے کہ جو طاقت بشری سے کہیں برتر ہوں، سوان معجزات کا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذریعہ سے ظاہر ہونا ان کے دعوے نبوت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے، بلکہ قولی تصدیق سے یہ فعلی تصدیق قوی تر ہے، کیونکہ خداوند تعالے عام لوگوں سے کلام نہیں کرتا، اگر خدا تعالے ان کو اپنے قول سے خطاب بھی فرمائیگا تو وہ خطاب انہیں خاص بندوں کی وساطت سے ہوگا، پس جبکہ منکرین ان خاص بندونکی بات کو نہیں سنتے اور تکذیب کرتے ہیں، اس خدا کے فرمودہ کی بھی تکذیب کرینگے، اور معجزہ کا مقابلہ کیونکہ طاقت بشری سے فائق تر ہے اسکو دیکھکر اکثر منصف مزاج اور حق جو خدائی طاقت کے قائل ہوکر انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے گرویدہ ہونگے، الغرض کسی شخص کے ہاتھ پر معجزات کا ظاہر ہونا اسکے دعوئے نبوت کی خدا کی طرف سے تصدیق ہوتی ہے، اور جبکہ خدا تعالے حکیم و علیم اور قدیر و خبیر ہے ایسی ذات سے محال ہے کہ وہ کاذب کی تصدیق قولی یا فعلی فرمائے، اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے دعوۂ نبوت کی تصدیق علاوہ ظہور معجزات کے انکی صفات جمیلہ واخلاق حمیدہ سے بھی ہوتی ہے، جو اشخاص ابتدائی پیدائش سے باعتبار اپنی فطرت سلیمہ کے اعلے درجہ کے سچے اور آمانتدار قوم کے دردمند دنیا سے بے رغبت اور اخلاصمند اور مسکنت پسند ہوں، اس صورت میں یہ اوصاف بالضرور ان کے دعوئے نبوت کی مصدق ہونگے، مگر انہیں لوگونکے نزدیک جنکے دل حسد و بغض و عناد کی علت سے پاک ہیں،

معجزہ اور سحر میں یہ فرق ہے کہ سحر کی تاثیر سے ایک نظر بندی سی ہوتی ہے، جو چیز کہ ساحر اول دکھلاتا ہے باعتبار حقیقت کے وہ چیز وہی رہتی ہے مگر ہاں قوت خیالی اور نظر ظاہری میں وہ دوسری چیز دکھلائی دینے لگتی ہے، پس جو شخص کہ اسکے اسباب سے واقف ہوتا ہے، اور جسکو ان اسباب کے استعمال کرنیکی مشق ہوتی ہے وہ شخص ساحر کا مقابلہ کرسکتا ہے، اور معجزہ فی الحقیقت اپنی قوت سے اس شے کی ماہیت کو بدل ڈالتا ہے اور باعتبار اپنی حقیقت کے خارق عادت اور طاقت بشری کے مافوق ہوتا ہے اسکا مقابلہ

کسی سے ممکن نہیں، پس بڑے سے بڑا ساحر نبی کا مقابلہ نہیں کرسکتا، نہ وہ مادرزاد اندھے کو بینا کرسکتا ہے نہ وہ کسی مردہ کو زندہ کرسکتا ہے، نہ وہ چاند کے دو ٹکڑے کرسکتا ہے، نہ وہ آفتاب کو چلنے سے روک سکتا ہے نہ وہ اسکو واپس لوٹا سکتا ہے، دوسرا فرق معجزہ اور سحر میں یہ ہوتا ہے کہ سحر کا صدور نفس امارہ سے ہوتا ہے، اور معجزہ کا ظہور پاک باطن سے، اسی لئے سحر صرف ایک تماشہ کی غرض سے ہوتا ہے یا کسی اور فاسد غرض سے کیا جاتا ہے اور معجزہ سراسر ہدایت اور اصلاح کی غرض سے ظہور پذیر ہوتا ہے، اس لئے جن ساحروں کو فرعون نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے بہت کچھ دیکر اور مقرب خاص بنا لینے کے وعدہ پر بلایا تھا، جبکہ انھوں نے دیکھا کہ اُنکی لاٹھیاں اور رسیاں جو کہ مثل سانپوں کے جادو کی تاثیر سے لہرانے لگی تھیں حضرت موسےٰ کے عصا نے اژدہا بنکر سب کو نگل لیا، پس ان پر معجزہ کی سطوت اور حقیقت منکشف ہوگئی، انھوں نے یقینی طور سے جان لیا کہ یہ طاقت سحر کی نہیں بلکہ یہ خدائی طاقت کا ظہور ہے کیونکہ اس زمانہ میں سحر کے کمال میں اُنسے بڑھکر کوئی نہیں تھا، اس لئے وہ حضرت موسےٰ پر شیدا ہوکر ایمان لے آئے اور دنیوی مال اور تقرب شاہی کے خیال کو دل سے یکلخت نکال ڈالا، بادشاہ نے اُن سے کہا کہ تم بغیر میری اجازت کے موسیٰ پر کیوں ایمان لے آئے، اس انجام پر تمکو سخت عذاب دیکر مار ڈالونگا، میں ضرور ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کر تمکو سولی پر لٹکا دونگا، انھوں نے جواب دیا کہ آپکا جو جی چاہے ہمارے ساتھ معاملہ کیجئے ہم کو ہرگز کچھ فکر نہیں آزار کی، خدا کی خاطر منظور ہے، جبکہ ہمارے اور موسےٰ کے نبی ہونے کی حقانیت منکشف ہوگئی اور سحر اور معجزہ کا فرق صاف طور سے کھل گیا، اس حالت میں ہم خدا کے ہو چکے، اب کسی طرح ہم دولت ایمان سے باز نہیں رہ سکتے، جبکہ ابدی اور سرمدی دولت ہے، آپکا ہمکو سخت عذاب دیکر مار ڈالنا ایک دنیوی تکلیف ہے جو مثل برق خاطف کے گذر جائے گی، ہمکو اصلا اسکی پرواہ نہیں"

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامات میں یہ فرق ہے
کہ ولی کی کرامت معجزہ کے دریائے ذخار کا ایک قطرہ ہوتا ہے یا یوں کہو کہ کرامت
معجزہ کے آفتاب کا ایک ادنیٰ سا پرتو ہوتا ہے غرضیکہ معجزہ اپنی حقیقت اور قوت
کے اعتبار سے اصل ہے اور کرامت اس کی فرع، جیسے کہ نبوت اصل ہے اور ایک
خاص مقبولیت الٰہی کے درجہ کا نام ہے، ایسے ہی ولایت نبوت کی فرع اور محبوبیت
الٰہی کے درجہ کا نام ہے، جو کہ بطفیل اتباع انبیاء علیہ السلام اولیا کو بہزار جد وجہد
میسر ہوتی ہے، اسلئے کہ ولی وہی شخص ہوتا ہے جو نبی کی نبوت کا دل سے اقرار کرتا ہے
اور اس کے اعلیٰ درجہ کے اتباع کی بدولت وہ معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے اور نور ایمان سے
دل منور ہو جاتا ہے اس میں ایسی زبردست تبدیلی واقع ہو جاتی ہے کہ اس کا ہر ایک
فعل لوجہ اللہ صادر ہوتا ہے، وہ اپنے تمام معبودوں کو مٹا کر ایک خدا کی ذات پاک کو مقصود
ٹھیرا لیتا ہے، اسکے رگ و پے میں جلال الٰہی سما جاتا ہے، وہ اپنی خودی کو مطلقاً نیست
و نابود کر دیتا ہے، اس واسطے نور الٰہی اس کے ظاہر و باطن پر مستولی ہو جاتا ہے جیسے
آئینہ کہ اس کی کثافت دور ہو جانے سے آفتاب اس میں جلوہ گر ہونے لگتا ہے ایسے
ہی کثافت خودی کے زائل ہو جانے سے خدائی آفتاب اس میں پرتو افگن ہوتا ہے
اور یہ دولت معرفت الٰہی و قرب جناب باری کا اس کو صرف نبی کی اطاعت سے حاصل
ہوتا ہے اور نبی کے وسیلہ سے وہ صفات الٰہی سے بہرہ ور ہو کر دوسروں کیلئے فیض رساں
بنتا ہے، جیسے کہ آتشی شیشہ آفتاب سے بوجہ اپنی قابلیت کے حرارت لیکر دوسری جگہ
پہنچاتا ہے، ایسے ہی ولی اپنی قابلیت ذاتی کے سبب آفتاب نبوت سے عرفان الٰہی
کی حرارت لیکر دوسروں کو پہنچاتا ہے، یہ فیضان محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا اولیائے کرام کے
ذریعہ سے قیامت تک جاری رہیگا۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا وَمَتِّعْنَا مِنْ فَيْضِهٖ اِلٰى يَوْمِ
[illegible] صلے اللہ علیہ وسلم اور نعوذ باللہ منہا جو شخص خود سری کرے

اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو لازمی نہ سمجھے اس کے ہاتھ پر کبھی کرامت کا صدور نہو گا، جو کچھ عجائب وغرائب امور اس سے ظہور پکڑینگے وہ محض شعبدہ بازی لوگوں کے پھنسانیکا جال ہوگا، کرامت سے اسکو کچھ نسبت نہو گی، ایسا شخص کبھی ولی یعنے خدا کا دوست نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ خداوند تعالےٰ کے دشمنوں اور شیطان کے دوستوں میں شمار ہوگا، جیساکہ قرآن پاک میں ان لوگوں کے حق میں وارد ہوا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے روگرداں تھے وہ آیت یہ ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ،،

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اوپر چار امور واجب ہوتے ہیں وہ یہ ہیں،، اوّل صدق دوم، امانت، سوم تبلیغ، چہارم، فطانت انبیاء کے حق میں صدق کے یہ معنے ہیں کہ انکا خبر دینا مطابق واقع کے اور نفس الامری ہو، ان سے ہرگز ہرگز یہ ممکن نہیں کہ انکی کوئی خبر امورات دینی یا دنیوی میں کیسی ہی ہو وہ غیر مطابق واقع کے ہو یا وہ نفس الامری نہو ان کے بارہ میں امانت کے یہ معنے ہیں کہ ان کا ظاہر و باطن بہمہ وجوہ اس امر سے محفوظ ہو کہ اُنسے کوئی قول یا فعل اپنی ذاتی خواہش سے سرزد ہو، بلکہ جو کچھ اُن کو خدا کی طرف سے حکم ہوتا ہے وہی کہتے اور کرتے ہیں، کیونکہ خدا تعالےٰ نے ان کو تمام اپنی مخلوقات میں پسند فرمایا ہے، اور اُن کے باب میں تبلیغ کے یہ معنی ہیں کہ جس حکم کو خدا تعالےٰ نے ان کو پہنچانے کی غرض سے دیا ہے اسکو وہ نہایت صاف طور سے پہنچائیں، گو کیسی ہی مخالفت کی آگ بھڑک جانیکا اندیشہ ہو، کتمان کو تبلیغ میں وہ اصلا راہ نہیں دیتے،،

ان میں فطانت کے یہ معنے ہیں، کہ وہ لوگ باعتبار اپنی پیدائش کے بڑے دانا اور نہایت سمجھدار اور تیز ہوش ہوتے ہیں سب سے زیادہ اعلےٰ درجہ پر ہوں چنانچہ

تمام انبیاء علیہم السلام ان ہی صفات حمیدہ سے بدرجۂ اتم موصوف ہیں،
وہ افعال جن کا انبیاء میں پایا جانا محال ہے، ایک جھوٹ، دوسرے خدا کی نافرمانی
تیسرے حق پوشی، چوتھے غفلت، علاوہ ان چار چیزوں کے ایسے امور کا ہونا بھی
انبیاء میں محال ہے جنکو عرف میں لوگ معیوب سمجھتے ہوں، اگرچہ وہ عنداللہ گناہ نہ ہوں
جیسے ذلیل پیشہ یا حقیر نسب، اور صفتیں بھی انبیاء میں ہرگز نہ پائی جائیں گی جو ان کے
مبعوث ہونے کی حکمت کے خلاف ہوں جیسے گونگا یا بہرا ہونا، یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ
نبی سے خدا کی نافرمانی سرزد ہونی محال ہے، حق تعالیٰ نے تو حضرت آدم کو جنت میں
یہ فرمان دے چکا تھا کہ خبردار اس درخت کے پاس تک نہ جانا، پھر آدم علیہ السلام
نے کیوں اس درخت میں سے کھایا، یہ تو اُن سے سراسر نافرمانی ہوئی یا نہیں، اسکا
جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت میں سے بھول کر کھایا، نافرمانی اس
وقت ہوتی کہ باوجود ممانعت کا حکم یاد ہونے کے پھر حضرت آدم اس درخت میں سے
تناول فرماتے، چنانچہ خود پروردگار عالم قرآن پاک میں فرماتے ہیں ولقد عھدنا
الیٰ آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما، ترجمہ، ہم نے پیشتر آدم سے اس درخت
کے نہ کھانے کا عہد لے لیا تھا، لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا ارادہ حکم کے خلاف
کرنے میں نہیں پایا، اور یہ جو قرآن شریف میں دوسری جگہ درباب عصیان یعنے
نافرمانی حضرت آدم علیہ السلام کا ثبوت "وَعَصٰی آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی" یعنی نافرمانی
کی آدم نے اور بہک گیا ظاہر ہوتا ہے یہ محض حضرت آدم علیہ السلام کے شرف رتبہ اور بلند پایہ
ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس نسیان کو معصیت کے لفظ سے تعبیر فرمایا تاکہ اس سے
یہ ثابت ہو کہ جو بڑے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں انکی بھول چوک بھی بسبب ان کے عالی قدر
ہونے کے بڑی چیز گنی جاتی ہے اور کم درجہ کے لوگوں کے گناہ کی برابر شمار ہوتی ہے
چنانچہ یہ مضمون مقولہ حسنات الابرار سیئات المقربین سے معاف ہو جاتا ہے، علاوہ بریں

حضرت آدم کی بھول چوک پر جو اس قدر گرفت ہوئی نہ ان کے اور انکی بیوی حضرت حوا کے بدن سے جنت کے حلّے اتار کر اور ننگا کر کے زمین پر بسنے کو بھیج دیا اور وہ دونوں رنج و مفارقت کے عذاب میں گرفتار رہے اور اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہے، یہ سب کچھ انکے اسی شرف رتبہ کیوجہ سے ظہور میں آیا، کیونکہ جسپر خدا کی ایسی خاص مہربانی ہو کہ اسکو اپنے ہاتھ سے بنائے اور مسجود ملائکہ ٹھہرائے اور اسکو اپنے پسندیدہ گھر میں کہ جو بے انتہا نعمتوں سے بھرا ہوا ہو رکھے اور تمام نعمتوں کا اسکو مختار کر دے اور صرف ایک چیز کے کھانے کی ممانعت فرمائے، پھر باوجود اس التفات خاص اور بیجا التفات واکرام کے وہ ایک بات کی ممانعت کو بھی یاد نہ رکھے تو بیشک وہ عقل سلیم کے نزدیک گرفت کے قابل ہے، اور نیز اس قصہ میں ہم جیسے بنی آدم کیلئے ایک عمدہ سبق ہے، اور بڑی بھاری عبرت حاصل کرنیکا ذریعہ ہے، جبکہ ہمارا باپ جسپر ایسے ایسے تفضلات جناب باری تھے، صرف ایک بھول چوک کی بدولت اس سزا کو پہنچا، ہم اگر نعوذ باللہ اپنی شرارت نفس سے اسکے حکموں کی دیدہ و دانستہ نافرمانی کرینگے، تو ہمارے لئے کیسی کچھ خرابی ہوگی، ہم کو اس قادر مطلق کے جلال سے ہر وقت لرزاں اور ترساں رہنا چاہیئے،

اور نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کو بھی حضرت آدم علیہ السلام کی بھول پر قیاس کر لینا چاہیے، کہ انکی ذات ستودہ صفات سے بھی جو کوئی امر خلاف ان کی شان کے ظہور میں آیا وہ بھی انسیان کے سبب یا بطور خطاء اجتہادی کے ظہور میں آیا ایسے لوگوں سے دیدہ و دانستہ نافرمانی ہرگز ہرگز وقوع میں نہیں آتی، اور پھر انہوں نے اس لغزش کو جو کہ سہواً یا خطاءً ظہور میں آئی اس کو معصیت سمجھا اور خدا کا جلال ان کے دلوں میں بھرا ہوا تھا اور اسکی بے نیازی کی معرفت انکو حاصل تھی اور خوف خداوندی انکی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا، اس سبب سے انکی یہ کیفیت ہوئی اور اس گریہ و زاری اور درد و قلق میں ان کے مراتب کی ترقی ہوتی تھی اور عبودیت

کا اظہار بدرجہ اتم ہوتا تھا، اسلیئے اس درد و اندوہ کا بیحد ان کو ثواب درگاہ الٰہی سے دیا گیا اور انکی مقبولیت اور محبوبیت کے درجات میں اور زیادہ ترقی ہوئی"۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو لوازمات بشری ہیں وہ حاصل ہوتے ہیں جیسے کھانا، پینا، بھوک، پیاس کا احساس، گرمی اور جاڑے کا لگنا اور امراض بدنی کا لاحق ہونا، راحت کا لینا، اور تھکان کا پیدا ہونا اور تندرستی کا حاصل ہونا، سونا، جاگنا، پیشاب، پاخانہ کی ضرورت ہونا، تجارت یا کوئی اور پیشہ کرنا جسمیں ذلت اور کمینہ پن نہ ہو، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ہوتے ہیں، جو چیزیں لوازم بشریت سے ہوں وہ سب انبیاء علیہم السلام میں پائی جائینگی، بشرطیکہ لوازم بشریت میں کوئی امر ایسا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کی اہانت ہو یا کوئی برائی انکی طرف عائد ہو باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام بہترین خلائق ہوتے ہیں اور ہر ایک عیب سے ان کا ظاہر و باطن پاک ہوتا ہے، مگر ان کو امراض و آلام اس حکمت کیوجہ سے لاحق ہوتی ہیں کہ ان کا استقلال اور ثبات خدا کی فرمانبرداری میں خلقت پر ظاہر ہو، اور ان تکالیف کے برداشت کرنے سے ان کے درجات میں ترقی ہو اور ان کے اخلاص مندوں کو بروقت مصائب مبتلا ہونے کے گونہ تسکین ہو، اور وہ لوگ اس امر کو خوب جان لیں کہ یہ دنیا مصائب اور امتحان کا گھر ہے اور حقیقی انعام واحسان خداوندی کا یہ گھر نہیں ہے، تاکہ اس سے ان کے مخلصین اس دنیا سے دل نہ لگائیں اور نیز یہ بھی حکمت ہے کہ ان کے معجزات دیکھکر ان کو ناقص العقل لوگ خدا نہ کہنے لگیں بلکہ یہ خوب جانتے رہیں کہ یہ معجزات کا اُنسے ظاہر ہونا خدائے برتر کے ارادہ پر موقوف ہے اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس قادر علی الاطلاق کے سامنے اپنے لئے منافع حاصل کرنے یا مضرتوں کے دفع کرنے میں مثل ہمارے عاجز ہیں۔

انبیاء کے اوپر ہمارے لئے یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ وہ تمام اوصاف جمیلہ سے

مزین اور تمام افعال واقوال ذمیمہ سے مبرا و منزہ ہیں، اور عوارضات بشریہ انکو لاحق ہوتے ہیں، جن سے ان کے مراتب عالیہ پر دھبہ نہ آئے، اور حق تعالےٰ نے انکو عام خلائق میں سے برگزیدہ فرما کر انکو ہدایت خلق کے لئے بھیجا ہی، اور خاص طور پر خدائے تعالےٰ کے احکام سے واقف ہوتے ہیں اور اصول دین میں وہ آپس میں مختلف نہیں ہوتے. مثلاً توحید، عبادت الٰہی، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی جزا و سزا کو ہر ایک نبی بیان کرتا چلا آیا ہی اور جو کچھ جزوی اختلاف شریعتوں کے بعض احکام میں ہی، وہ بسبب مصلحت اوقات اور بوجہ اختلاف احوال اقوام ہوتا ہی، کیونکہ دین ایک اصل چیز ہے اس میں اختلاف کا ہونا اصلا ممکن نہیں، اور احکام شرعیہ اسکی فروعات ہیں اس میں بسبب اقتضاء مصلحت وحکمت خداوندی اختلاف ممکن ہی، کیونکہ ہر نبی کی امت کا جدا زمانہ اور جدا مکان اور جدا طبیعت تھی، اسلئے احکام شرعیہ میں اختلاف کا ہونا، بوجہ اظہار حکمت الٰہی ضرور ہوا، جیسا کہ طبیب ظاہری ہر بیمار کیلئے جدا نسخہ تجویز کرتا ہی، یا کہ معلم جدا جدا طبقات کے طلبہ کو جدا جدا کتابوں کی تعلیم دیتا ہی.

ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیا علیہم السلام سے ممتاز ہیں اور خصوصیت کے ساتھ آپ میں تین صفتیں ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، دوم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام لوگوں کے لئے عالم ہے کسی قوم یا کسی مکان یا زمانہ کی تخصیص نہیں، سوم یہ کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا،

ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اسوجہ سے ہوئے کہ آپکی شریعت غرا میں وہ تمام امور اعلےٰ مرتبہ پر پائے جاتے ہیں، کہ جنپر خلقت کی ہدایت کا دارو مدار ہی خداوند ذوالجلال کی رسولوں کے بھیجنے سے یہ حکمت ہی کہ وہ خلقت کو خالق کی عبادت کی طرف بلائیں، اور امور معاش و معاد کی اصلاح کی ہدایت فرمائیں، اور جو امور ان کی

ظاہری نظروں سے پوشیدہ ہیں یا ان کی فکروں سے بالاتر ہیں اُنپر اُن لوگوں کو مطلع کریں
اور خدا کی وحدانیت اور اسکی یکتائی اور اسکی عبادت اور بندگی کے استحقاق کو ایسی بزرور
دلائل اور اعلےٰ پایہ کی حجتوں سے ثابت کردیں کہ اس میں کسی کو کسی طرح کا شک وشبہ باقی
نہ رہے، قبول اسلام میں بجز عناد و فساد طبعی کے اور کوئی امر مانع نہو، چونکہ یہ سب اُمور
ہما۔ ے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت غرّا اور پاک ہدایت میں بدرجہ اتم واکمل موجود
تھے، اسلیئے آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہی کیونکہ آپکی پاک شریعت غرّا
کمال درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، اور اس میں ہر زمانہ اور ہر قوم کی ہدایت اور کفالت موجود
ہے، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام ہے اور آپ باعتبار اپنی
خلقت اور اخلاق کے تمام مخلوقات سے بالاتر ہیں، اور نیز آپ کی شریعت تمام شریعتوں
سے باعتبار کمال کے جامعیت اور نہایت رحمت ورافت پر مبنی ہونے کے فائق تر ہے،
ان وجوہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہوئے، اگر جبکہ حضرت عیسےٰ علیہ
السلام کا قریب قیامت کے آسمان سے دنیا میں تشریف لانا محمدی شریعت کے عقائد
میں مانا گیا ہے، پھر حضور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح خاتم النبیین ٹھیرے، اس کا جواب
یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عیسےٰ علیہ آخر وقت میں آسمان سے نزول فرماوینگے، لیکن تاہم
وہ ہمارے نبی صلے اللہ کی شریعت کے تابع ہوں گے، کیونکہ انکی شریعت ان کے وقت
گذرنے اور رسول صلے اللہ وسلم کے مبعوث ہونے سے منسوخ ہو چکی ہے جو خدا تعالیٰ
نے اسوقت کی مصلحت کے لحاظ سے بھیجی تھی، اب اس حالت میں حضرت عیسےٰ علیہ
السلام ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بطور خلیفہ کے ہوں گے جو شریعت محمدی پر
لوگوں کو بطور نائب کے چلائیں گے، پس اس صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
ہی خاتم الانبیاء ٹھیرے،

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات علماء محدثین کے نزدیک جو پایہ ثبوت کو پہنچ
گئے

ہیں، تین ہزار ہیں، مگر ان میں سے یہاں پانچ معجزوں کے بیان کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے
سب سے بڑا اور روشن تر اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ قرآن شریف ہے، یہ معجزہ خاتم الانبیا
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص تھا، دوسرا معجزہ شق القمر کا ہے، کفار مکہ نے
جب آپ کے ہاتھ سے معجزات کا ظہور دیکھا تو اپنی کج فہمی سے یہ خیال کیا کہ یہ شخص جادوگر
ہے، اور یہ بات بھی وہ جانتے تھے کہ جادو عالم سفلی میں تو چلتا ہے مگر عالم علوی یعنے
آسمان پر نہیں چلتا، اسلئے سرداران مکہ معظمہ نے جمع ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے عرض کیا کہ اگر تم اپنے دعوے نبوت میں سچے ہو تو ہم کو چاند کے ٹکڑے کر کے دکھا
دو، آپ نے فرمایا کہ اگر میرا خدا یہ بھی تمکو کر دکھائے تو تم ایمان لے آؤ گے، عرض کیا، کہ
بیشک ضرور اسوقت ایمان لے آئینگے اور بت پرستی چھوڑ دینگے، آپنے خداوند قادر
علے الاطلاق سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کی دعا فرمائی اور چاند کو انگشت مبارک
سے اشارہ فرمایا، فی الفور سب کی آنکھوں کے سامنے پورے چاند کے دو ٹکڑے
ہو گئے، اور دونوں ٹکڑے، اس قدر دور فاصلہ پر ہو گئے کہ ابو قبیس پہاڑ کے ایک ٹکڑا
ایک جانب اور دوسرا دوسری طرف ہو گیا، باوجودیکہ اس نقشہ کو سب نے اپنی
آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ لیا، تاہم عناد کی وجہ سے اسکو بھی جادو قرار دیکر کہا "ھٰذا
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ" یہ تو بڑا بھاری جادو ہے، جس کی تاثیر آسمان تک پہونچ گئی"

آپ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ سفر کی حالت میں لشکر کے پاس پانی
نہ رہا، آپ نے چھاگل میں سے تھوڑا سا پانی طشت میں ڈلوا کر اسمیں اپنا دست مبارک
رکھدیا، پس فوراً آپ کی مقدس انگلیوں میں سے نہایت شیریں اور شفاف پانی
بہنے لگا، سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پی لیا، اور اپنی مشکیں اور پانی کے برتن
بھر لئے، اور یہ معجزہ کہ تھوڑا پانی بہت ہو گیا بارہا ظہور میں آیا، اور منجملہ آپ کے معجزات
کے یہ بھی ہے کہ تھوڑا سا کھانا بہت سے آدمیوں نے خوب سیر ہو کر کھا لیا، پھر بھی وہ

اسی قدر رہا، اس معجزہ کا ظہور بھی بارہا ہوا، اور آپ کے معجزات میں تنہ کھجور خشک کا رونا ہی جو کہ مسجد نبوی میں ایک ستون تھا، آپ اس سے پشت مبارک لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے، جب آپ نے ممبر بنوالیا اور جمعہ کے روز اس ممبر پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ کی مفارقت کے درد سے وہ خشک ستون مثل انسانوں کے رو دیا، جس کو تمام حاضرین نے اچھی طرح سنا، پھر آپ نے اسکو تسلی دی ۔۔

آنحضرت کے خصائل پاک کا بیان کرنا انسانی طاقت کے احاطہ سے بالاتر ہے مگر کسی قدر بیان کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ اس بات پر تمام صحابہ کرام وائمہ عظام وعلمائے انام کا اتفاق ہو کہ آپکی خصلتِ پاک باعتبار خوبی کے جملہ انسانوں سے فائق تر تھی، اور مخالف سے مخالف لوگ بھی آپ کو باعتبار نیک خصائل کے سب سے بہتر جانتے تھے اور کیونکر نہ جانتے آپ کی ذاتِ مقدس خصائل حمیدہ وافعال پسندیدہ کی وجہ سے مثل آفتاب کے روشن تھی،

اہل سیر نے لکھا ہے کہ آپ حسب و نسب میں اعلےٰ مرتبہ کے تھے آپ صلہ رحمی بے انتہا فرماتے اور فریاد کرنے والے کی فریاد کو تیزی سے پہنچتے، آپ میں بے انتہا مخالفین کی اذیتوں کے برداشت کرنے کا مادہ تھا، آپ نہایت چشم پوشی فرماتے معذرت پر معافی دیتے اور ہر ایک سے نہایت نرمی سے پیش آتے، اپنی ذات کے بارہ میں کسی سے انتقام نہ لیتے، اور بحد حلم و صبر فرمایا کرتے، اور آپ خطا کاروں کی خطاؤں سے اکثر در گذر فرماتے، مگر جب کوئی حق اللہ یا حق العباد تلف کرتا تب اسوقت البتہ بدلہ لیتے، اور آپ اکثر خاموش رہتے اور اس خاموشی کیحالت میں عالم ملکوت کے اسرار کو سوچا کرتے، اور جب آپ بولتے تھے تو بے تکلف کلمات جامعہ فرماتے، جنمیں ہر پہلو سے حکمت اور خوبی بھری ہوتی تھی، آپ کے ایک ایک کلمہ کی تشریح میں اگر ایک ایک کتاب لکھی جائے تو بھی اسکی حکمتیں اور نکات و اشارات پورے نہوں،

آپ نہایت فصیح البیان تھے اور گاہ گاہ آپ خوش طبعی کی بات بھی فرمادیا کرتے تھے، لیکن اس میں بھی سچی اور حق بات فرماتے اور ہر حال میں خدا کی حفاظت اور اسکی پناہ میں اپنے آپ کو سمجھتے اور اسکی ذات پر بھروسہ فرماتے، اسی باعث بڑے بڑے معرکوں اور اور نازک وقتوں میں جہاں پر بڑے بڑے شجاع اور بہادر جان چورائیں وہاں بلاتامل آپ گھس جاتے، اور سخت سے سخت ہولناک معرکوں میں آپ کے اوسان قایم رہتے ایسے اوقات میں بھی آپ حکیمانہ اور مدبرانہ تدابیر فرماتے تھے، اور نہایت فروتنی سے ہر ایک کے ساتھ برتاؤ فرماتے، باوجود بے انتہا فروتنی اور بے تکلف برتاؤ کے ہر کسی کے اوپر آپکی ہیبت پڑتی تھی، بوجہ ہیبت حق کے کسی شخص کو صحابہ میں سے آپ کے چہرہ مبارک کو ٹکٹکی باندھکر دیکھنے کی جرأت نہوتی تھی، جملہ صحابہ کرام آپ کی مجلس مبارک میں مؤدب بیٹھتے تھے گو حضور اقدس کی مجلس مبارک میں دنیوی بادشاہوں کا سا تزک واحتشام اور ظاہری ونمایشی زیب وزینت نہ ہوتی تھی، لیکن جو سفیر کہ غیر سلطنتوں کے آتے تھے وہ صاف لفظوں میں اعتراف کیا کرتے تھے کہ دربار رسالت کی سی تہذیب کسی بڑی سی بڑی سلطنت میں بھی نظر نہیں آتی، اور انکو حیرت ہوتی تھی کہ باوجود حضور کی خاموشی کے جملہ حاضرین ادب کیوجہ سے ساکت رہتے اور بغیر ضرورت کلام نہ کرتے تھے، نہ کوئی کسی کی بات کاٹتا تھا، غیبت اور ہر ایک قسم کے عیب سے آپ کی مجلس پاک رہتی تھی، مشرکین کہ نے آپ کو لڑکپن سے امین کا لقب دے رکھا تھا، اور بعد آپ کے دعوے نبوت کے باوجود سخت عداوت کے کسی قسم کا آپ کے اخلاق وعادات شریفہ پر عیب نہیں لگایا جاسکتا تھا، آپ لوگوں کو احکام الٰہی اور ان کے رموز اور حکمتیں تعلیم فرمایا کرتے، اور ان کے نفوس کا تزکیہ وتصفیہ توجہ باطنی سے فرمایا کرتے تھے، غرضکہ آپ ظاہر وباطن کے معلم اور ہادی برحق تھے، آپ شبانہ روز سبکو سلامتی کے گھر یعنے جنت کی طرف نہایت شفقت سے بلاتے رہتے تھے، جو شخص آپ کا تابع ہوا وہ معدن حکمت اور خزانہ معرفت اور علم ظاہری وباطنی کا دریا بن گیا، اور خصائل حمیدہ و

وافعال پسندیدہ سے آراستہ ہوئے یا اپنے آپ کا تابع نہ ہوا، وہ دو جہان کی نعمتوں سے
محروم رہا، آپ کا دین متین اور آپ کا ذکر جمیل ہر موافق و مخالف کی زبان پر قیامت تک
جاری رہیگا، جو شخص آپ کے اخلاق حمیدہ اور خصائل برگزیدہ کی مبسوط کتب کا مطالعہ
کرے گا وہ صاف طور پہ جان لیگا کہ آپ کی ذات مقدس باعتبار ظاہر و باطن کے اشرف
العالمین تھی"

"یوم القیامۃ" "والبعث بعد الموت"

یوم الآخرت روز قیامت کو کہتے ہیں جسمیں مارے خوف کے بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور
ہر ایک حاملہ کا اس کی دہشت سے حمل گر پڑیگا اور ہر ایک مادر مشفقہ اپنے بچہ کو بھول
جائیگی اس روز تمام آدمی اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور ایک لق و دق میدان میں
حساب دینے کے لئے کھڑے ہوں گے، بعد حساب و کتاب کے ہر شخص یا تو بسبب فضل
الہی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم و دیگر ابرار و اخیار کی سفارش سے نجات پاکر جنت
میں پہنچے گا، یا اپنی بدنصیبی سے واصل جہنم ہوگا نعوذ باللہ منہا، اللھم وقنا
عذابھا برحمتک یا ارحم الراحمین"

اور روز قیامت پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں کہ آدمی دل سے یقین رکھے کہ ایک روز جزا
وسزا اعمال دنیوی کا ضرور آئیگا اور جو جو چیزیں اس دن کے ہولناک ہونے اور اعمال دنیوی
کے جزا و سزا کے متعلق قرآن مجید یا احادیث رسول اللہ میں آئی ہیں وہ سب حق ہیں"

آخرت کی نسبت یہ عقائد ضروری ہیں کہ سب سے اول بعد مرنے کے قبر میں منکر نکیر
سوال و جواب کرینگے، ان کو ٹھیک جواب دینے سے قبر میں ہر طرح کا آرام ملیگا، اور
نعوذ باللہ ٹھیک جواب نہ دینے سے طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوگا، پھر محشر میں
ہر ایک شخص اپنے بدن سمیت اٹھیگا اور دنیوی اعمال کا حساب ہوگا اور میزان عدل

میں اعمال تولے جاویں گے، نیکوکاروں کے دہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دئے جائیں گے، اور بدکاروں کے بائیں ہاتھ میں اور پلصراط پر سب کو گذرنا ہوگا، بعد ازاں مومنین تو دار النعیم میں اطمینان قلبی کیساتھ ہمیشہ کے لیئے ناز و نعم میں رہیں گے، اور کافریں دوزخ میں جھونک دئے جائیں گے، جو نہایت پر آفات گھر ہے، نعوذ باللہ منہا،

جب آدمی قبر میں رکھا جائیگا تو اس کی روح بدن میں بحکم خدا واپس آجائیگی جس سے وہ بات سمجھ سکے اور جواب دے سکے، اس کے بعد دو فرشتے جن کا نام منکر نکیر ہے، نہایت مہیب شکل کے قبر میں آئینگے اور مردہ کو بٹھلا کر خدا کی ذات اور دین برحق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بابت سوال کرینگے، اور جو احکام حق تعالے نے بندوں پر فرض کئے ہیں ان کے ادا کرنے کی نسبت پوچھیں گے، اگر یہ شخص مومن تھا اور دنیا میں احکام الٰہی بجا لاتا تھا تو توفیق الٰہی سے جملہ سوالات کے جوابات برجستہ دیگا، اور اسکے دل پر منکر نکیر کا اصلا خوف طاری نہوگا، اور نور ایمان کے سبب اسکو کسی قسم کا اضطراب نہوگا، جبکہ وہ توفیق ایزدی سے پورے پورے جوابات دے چکیگا، اسوقت حق تعالے اسکی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیگا، اسوقت اسکو حور و قصور نظر آنے لگیں گے اور جنت کی طرف ایک دریچی کھولدی جائے گی، جسمیں طرح طرح کی خوشبوئیں اور روح افزا ہوائیں آنے لگیں گی اسوقت اس سے کہا جائیگا کہ یہ نعمت و راحت تم کو اس صلہ میں دی گئی جو کہ تم دنیا میں صراط مستقیم پر چلے تھے، اور حتی المقدور خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کرتے رہے،

اور اگر یہ شخص نعوذ باللہ منہا دنیا میں کافر یا منافق رہا تھا، تو منکر نکیر سے ایسی دہشت کھا جائیگا کہ سب کچھ بھول جائیگا اور اصلا کسی سوال کا جواب نہ دے سکیگا، ہر سوال کے جواب میں یہی کہیگا کہ میں کچھ نہیں جانتا، اسوقت منکر نکیر اسکی آنکھوں پر سے پردہ دور فرمائیگا، تب اس کو جہنم نظر آئیگا، اور اسطرف کو ایک کھڑکی کھل جائے گی جسمیں سے رگ و پے کو بھون دینے والی گرم ہوا اور نہایت سخت بدبو کہ جس سے دماغ پھٹ جائے

آنے لگیں گی، اور قیامت تک طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا رہیگا، اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ عذاب قبر تجھکو کفر اور نفاق کی شامت سے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے دیا گیا ہے ،،

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو درندہ پھاڑ کھائے یا دریا میں ڈوب جائے اور دریائی جانور اسکو ریزہ ریزہ کر کے کھا جائیں یا جیسا کہ ہندو مردہ کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں، ان صورتوں میں کیسے اس مردہ سے منکر نکیر سوال و جواب کرینگے اور وہ کیسے قیامت سے پیشتر اپنے اعمال کی جزا و سزا دیکھے گا جو کہ قبر والے دیکھتے ہیں ،،

اسکا جواب یہ ہے کہ بیشک اس سے بھی منکر نکیر سوال کرینگے اور وہ اپنی حالت کے موافق جواب دے گا، یا کفر و نفاق کے سبب جواب دینے سے عاجز رہیگا، اور جزا و سزا اپنے اعمال دنیوی کی قبل از روز قیامت اسی حالت میں بھگتے گا، اگرچہ وہ قبر میں نہو، درندوں یا دریائی جانوروں کے پیٹ میں ہو یا جلکر خاک ہو گیا ہو، خدا تعالے کو ہر ایک طرح کی قدرت ہے، اس کی قدرت کے احاطہ سے کوئی شخص کسی حال میں باہر نہیں ہو سکتا وہ ہر چیز کو جانتا ہے، اسکے علم کے دائرے سے کوئی چیز کبھی نہیں نکل سکتی، ایسی حالت میں بھی خدا کے اختیار میں ہے کہ وہ مردے سے بذریعہ منکر نکیر سوال و جواب کرائے اور اسکو جزا و سزا دے، اگرچہ ہم اسکی کیفیت کو نجان سکیں یا اسکی کیفیت کی تشریح شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے نہ فرمائی ہو۔ ہم اسکی کیفیت کو خداوند علیم و خبیر کے علم پر سونپتے ہیں اور اس مردہ کی سزا و جزا پر ایمان رکھتے ہیں ،،

جبکہ مردہ کو عذاب قبر ہوتا ہے، یا وہ قبر میں ہر طرح کا چین و آرام پاتا ہے تو زندہ آدمی اس کو کیوں نہیں دیکھ سکتے ،، اس کا جواب یہ ہے کہ زندہ لوگ اس وجہ سے مردہ کی حالت کو نہیں دیکھ سکتے کہ حق تعالے نے انکی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ڈال رکھا ہے تاکہ ان کا ایمان بالغیب بنا رہے۔ جو کہ خدا کے نزدیک ایک قابل قدر چیز ہے، اگر مردہ کی حالت

کو زندہ اشخاص دیکھا لیا کرتے تو ہر شخص اس دردناک عذاب کے خوف یا اس لطف وکیفیت
کے لالچ سے ایمان لے آیا کرتا، اور ایمان بالغیب (جس کا اعلےٰ رتبہ ہی) جاتا رہتا، اور
کھرے کھوٹے اور نیک و بد کی تمیز نہ رہتی، اور جو کیفیت عبادت و محبت و اخلاص الٰہی
کی ایمان بالغیب کی حالت میں ہوتی ہی وہ باقی نہ رہتی،،

قبر کے عذاب یا اس میں چین و آرام سے بسر کرنے کی اور اس کے پاس والے کو خبر تک نہو نیکی
ایک نہایت عمدہ مثال ہے، وہ یہ کہ جب آدمی سوتا ہوا کبھی باغوں کی سیر کرتا ہی اور طرح
طرح کے لطف اٹھاتا ہے اور نہایت ہشاش بشاش ہوتا ہی، یا کسی وقت سوتا ہوا
آدمی کسی بلا میں اپنے آپ کو مبتلا دیکھتا ہی اور گوناگوں تکالیف میں پھنسکر چیختا چلاتا ہے
خیال توکرو یہ مختلف احوال سوتے ہوئے آدمی پر اکثر گذرتے ہیں، لیکن پاس بیٹھے یا لیٹے
ہوئے آدمی کو اصلا خبر نہیں ہوتی اسی طرح مردہ پر جو جو نازو نعم یا درد والم گذرتے ہیں
زندوں کو اسکی حالت کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی،،

حشر اجساد یعنے بدن سمیت آدمیوں کا حشر میں اٹھنے کے متعلق یہ اعتقاد
چاہئے کہ بعد مرنے کے سب لوگوں کو خداوند تعالےٰ دوبارہ پیدا کرے گا جیسا کہ اس نے
پہلے بار پیدا کیا ہے، پس سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ایک
میدان خاص میں جا کھڑے ہوں گے، اس مقام کا نام موقف ہی،، حق سبحانہ تعالیٰ حشر
میں تمام لوگوں کو جمع کرنے کے بعد ہر ایک شخص سے زندگی بھر کا حساب لیگا، اور جو کچھ
اس نے برا یا بھلا اپنی زندگی میں کیا ہی اسکا اقرار لیگا، اور جو لوگ کہ اپنے افعال ناشائستہ
سے انکار کرینگے، اس کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا سے گواہی دلائیگا، اس حالت میں
انپر حجت قایم ہوجائے گی، اور کسی عذر کا موقع ان کو نہ رہیگا، محشر میں ہر شخص اپنی ذرہ بھر
بھلائی اور ذرہ برابر برائی کو جو کہ اُسنے دنیا میں کی ہوگی دیکھ لیگا،،

جس وقت حق تعالےٰ لوگوں سے حساب لے چکیگا، اور ان کے افعال پر اُنسے اقرار لے

کرینگا، اسوقت ان کے اعمال میزان عدل میں تولے جاوینگے، تاکہ ہر شخص کو اپنے عمل
کی مقدار معلوم ہوجائے، پس جس کسی کی حسنات کا پلہ سیئات سے بڑھا رہیگا، اس کا اعمالنامہ
اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا، اور وہ شخص بڑی کامیابی کو پہنچیگا، اور جس کسی کا پلہ
برائیوں کی طرف کا جھکیگا، اس کے بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائیگا پس وہ شخص
نہایت ٹوٹے میں پڑیگا، اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوگا، نعوذ باللہ منہا،

بجز انبیاء اور شہدا اور صدیقین کے سب لوگوں سے حساب لیا جائیگا،

پل صراط ایک لمبا پل بال سے باریک تلوار سے زیادہ تیز جہنم کے اوپر رکھا جائیگا تاکہ
تمام لوگ اسکے اوپر سے گذریں، مومنین اور فرمانبرداروں کے قدم تو اسپر جمیں گے
اور یہ لوگ اس پل کے ذریعے سے جنت میں پہنچیں گے، مومنین میں سے بعض تو مثل
بجلی اور تیز گھوڑے اور بعض بہت آہستہ پل پر سے گذر جائیں گے، اور کافروں اور
منافقوں کے قدم اسپر لڑکھڑائیں گے اور جہنم میں کٹ کر جا پڑیں گے، مسلمانوں کا ایسے
پل پر سے گذر جانا کچھ بعید از عقل نہیں، یعنے جو ذات اپنی قدرت کاملہ سے پرندوں
کو ہوا میں اڑاتی ہے وہی ذات نیک بختوں کو بھی پل صراط سے بآسانی گذار دیگی،،

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام اور عالم باعمل اور شہداء جن کے حق میں انکو
خدا کی طرف سے اجازت ہوگی وہ انکی سفارش کرینگے، صرف گنہگار مومنین کی نجات
دلانے کے لئے سفارش ہوگی، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی کسی کافر کی سفارش
نہ فرما سکیں گے اور کسی شخص کی تو کیا مجال ہے، اسلئے کہ انبیاء جانتے ہیں کہ کافروں پر
عذاب کا کلمہ ثابت ہوچکا اور اللہ تعالےٰ اپنے فرمودہ کے خلاف ہرگز نہ کریگا، علاوہ بریں
کافروں کی سفارش کے لئے اجازت ہی نہ ملیگی اور کوئی شخص بدون اجازت کے
سفارش کے لئے مجاز نہوگا، خدا تعالےٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ
الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا یعنے اسدن سفارش

کسی کو نفع نہ دیگی مگر جس کے لئے رحمٰن کی اجازت ہو اور جس کا قول اس کو پسندیدہ ہو
اور حق تعالےٰ کفر کے قول کو پسندیدہ نہیں فرماتا،،

کوثر کے متعلق حق سبحانہ تعالےٰ نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے
اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ کوثر جنت میں ایک ایسی نہر ہے جس کا پانی دودھ سے
زیادہ سفید اور شہد سے کہیں زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے جو کوئی اسکا
ایک گھونٹ پی لیگا، پھر کبھی اسکو پیاس نہ لگے گی، بعد کو جو جنتی لوگ جنت کی نہروں کا
پیا کرینگے وہ محض لذت حاصل کرنے کی غرض سے پیا کرینگے،،

فرمانبردار مومنین حساب سے فراغت پاکر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اور
بے انتہا نعمتوں سے مستفیض ہوں گے، منافق اور کافر ہمیشہ کے لئے جہنم میں
رہیں گے، اور طرح طرح کے دردناک عذابوں میں گرفتار رہینگے، منافق چونکہ علاوہ اصلی
کافر ہونے کے وہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکا دہی سے پیش آتے رہے اسوجہ سے
وہ جہنم کے نیچے کے طبقے میں داخل ہوں گے جنمیں سب طبقات سے سخت تر عذاب ہے،،
گنہگار مومن کی حساب کے بعد یہ کیفیت ہوگی کہ اگر حق تعالےٰ نے اسکو اپنے فضل سے
بلا کسی کی سفارش یا کسی کی سفارش سے بخشدیا تو وہ جب ہی جنت میں داخل ہوجائیگا
اور ہمیشہ کیلئے وہیں ناز و نعم میں رہیگا اور اگر خدانخواستہ اسکو معافی نہ دیگئی تو وہ بقدر
اپنے گناہوں کے سزا پاکر آخرکار جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوگا، غرضکہ گنہگار مومن
بغرض تزکیہ و تصفیہ دوزخ میں جائیگا، جیسے کہ چاندی یا سونے کو نکھارنے کی غرض
سے کوٹھالی میں تاؤ دیتے ہیں، ہر شخص کو لازم ہے کہ دنیا میں اپنے آپکو آتش
ریاضت و مجاہدہ سے نکھا لے تاکہ وہاں نکھارنے کی نوبت نہ آئے،،

نیک آدمیوں کے لئے جنت ایک نعمت والا گھر ہے، جسکی نعمتیں اور راحتیں ابدی
ہیں وہ ایسا گھر ہے جسمیں ہر قسم کی پسندیدہ چیزیں جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے

موجود ہیں، اور اس میں وہ نعمتیں موجود ہیں جنکو نہ کسی بشر کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گذرا، اور تمام جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی ہے، الٰہی اپنے فضل سے ہمکو بھی اس نعمت علیا سے مشرف فرمائے، آمین،

بدکاروں کے لئے جہنم دائمی عذاب کا جیل خانہ ہے، جس میں ہر قسم کا نہایت دردناک عذاب ہے جو آدمی کے وہم وگمان سے باہر ہے، العیاذ باللہ،،

مسئلہ قضا و قدر

قضا و قدر یعنے تقدیر الٰہی کے متعلق یقین رکھنا چاہیئے کہ بندوں کے جملہ افعال خواہ اختیاریہ ہوں یا اضطراریہ مثل کھڑے ہونے اور بیٹھنے کھانے پینے اور بھلائی، برائی مثل نماز روزہ خیرات اور شراب خواری، زناکاری یا لوگوں کو تکلیف دہی یہ سب کچھ خدائے تعالےٰ کے ارادہ اور اسکی قدرت سے وقوع میں آتے ہیں، اور جملہ امور کو حق تعالےٰ نے ازل میں جان رکھا ہے کہ فلاں شخص سے فلاں وقت فلاں جگہ یہ قول یا یہ فعل سرزد ہوگا،، لیکن سوال یہ ہے کہ جبکہ بندہ کا ہر ایک فعل خدا کے ارادہ اور اسی کی قدرت سے سرزد ہوتا ہے، پھر بندہ اپنے افعال پر کیوں کر جزا و سزا کا مستحق ہے وہ تو مشیت اور ارادہ الٰہی سے مجبور ہے اسکا جواب یہ ہے، بندہ اپنے افعال میں ہرگز مجبور نہیں، افعال اختیاریہ میں اسکا اختیار ظاہر امر ہے ہاں البتہ جو افعال اضطراریہ ہیں جیسے رعشہ والے شخص کا ہات اور ہول دلی والے کا دل کانپتا ہے یا بوڑھے کی گردن بے ساختہ ہلتی ہے، ایسی حالتوں میں یہ اشخاص مجبور ہیں، لیکن جو افعال کہ انسان اپنے ارادہ اور قدرت سے کرتا ہے، ان میں اصلا مجبور نہیں، کیونکہ حق تعالےٰ نے اسے اختیار اور قدرت عطا فرمائی ہے

اور عقل کا ایک ایسا روشن چراغ دیا ہے جس سے وہ ہر ایک بھلائی اور برائی کو سمجھ سکتا ہے، پس جب وہ اپنے اختیار سے خدا تعالےٰ کی فرمان برداری کے کام کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا، اور اگر اس اختیار کو خدا کی نافرمانی میں صرف کرے گا عذاب میں مبتلا ہوگا، یہ مسئلہ ایک مثال سے خوب ظاہر ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ ہر ایک شخص اپنے دنیوی منافع اور منصوبوں کے حاصل کرنے میں کیسی کچھ سعی کرتا ہے، یا تکالیف اور مضرتیں دور کرنے کی باختیار خود کیسی کوشش کرتا ہے، اگر مجبور ہے تو یہ منفعتیں حاصل کرنے اور مضرتوں کے دور کرنے کی کیوں تدبیر کرتا ہے، اور انہیں مشاغل میں کیوں شبانہ روز مشغول ہے کیوں نہیں اپنے آپ کو مجبور سمجھ کر بیٹھ رہتا، کیوں بھوک کے وقت کھانا کھانے پیاس کی شدت کے وقت، پانی پینے کے لئے دوڑتا پھرتا ہے، پس چونکہ ہر ایک نیک اور بد کام میں بندہ کا اختیار ظاہر ہے اسی لئے وہ جزا و سزا کا عقلاً مستحق ہے"

اس امر کی روشن مثال یہ بھی ہے جس کو ناسمجھ سے ناسمجھ بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ہر ایک آدمی ہاتھ یا پاؤں خود بخود ہلانے اور رعشہ کے سبب سے ہلنے میں فرق اپنے اختیار اور بے اختیاری کا سمجھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ میں جملہ افعال اختیاریہ اپنے اپنے اختیار سے کرتا ہوں جیسے لکھنا پڑھنا اور ان افعال کو اپنے ارادہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو یہ میں نے لکھا ہے اور جس کا ہاتھ یا پاؤں یا سر رعشہ سے ہلتا ہے اس کو اپنے ارادہ اور اختیار کی طرف منسوب نہیں کرتا، ایسی حالت میں اگر اس کے ہاتھ سے چینی کی رکابی گر کر ٹوٹ جائے یا کانچ کا برتن پھوٹ جائے۔ تو وہ اپنی مجبور ہونے کا عذر کرے گا اور ہرگز اس فعل کو اپنے ارادہ اور اختیار کی طرف منسوب نہ کرے گا،،

اس مثال سے یہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک آدمی ادنےٰ تامل سے جان سکتا ہے کہ

مجھ سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ قسم کہ جن میں اس کے ارادہ اور اختیار کو دخل ہے مثل کھانے پینے اور کسی کو مارنے اور گالی دینے کے دوسری قسم کے وہ افعال ہیں کہ جن میں اسکا کچھ اختیار نہیں جیسے اس کا پھسلکر گر پڑنا یا کسی چیز کا بے ارادے اس کے ہاتھ سے چھوٹ جانا یا نادانستگی کی حالت میں کسی کے اسکی ٹھوکر لگ جانا،

بندہ کے افعال اختیاریہ پر دنیوی اور اُخروی سزائیں دونوں مترتب ہوتی ہیں دنیوی سزا جیسے بیتوں سے پٹنا، یا جیل خانہ میں ہر قسم کی تکلیف بھگتنا، اُخروی سزا جیسے قبر اور حشر اور دوزخ کا عذاب جھیلنا، نعوذ باللہ منہا، اور افعال غیر اختیاریہ پہ دنیوی اور اُخروی دونوں نہیں۔

اس موقعہ پر ایک سوال یہ ہے، کہ جبکہ کسی نے کسی شخص کو ظلم و تعدی سے دانستہ جانی یا مالی تکلیف پہنچائی یا اور کسی قسم کا شر پھیلایا یا فساد برپا کیا وہ شخص عنداللہ اور عندالناس معذور سمجھا جائیگا یا نہیں،،

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص نہ خدا کے نزدیک اور نہ خلقت کے نزدیک معذور سمجھا جائیگا، کیونکہ جو کچھ اسنے کیا ہے وہ بارادہ خود اور صاحب عقل ہونے کیحالت میں کیا ہے وہ کس طرح معذور سمجھا جا سکتا ہے،،

اس ساری بحث کا یہ خلاصہ ہے کہ ہر آدمی کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اسکے تمام افعال واقوال اور تمام حرکات وسکنات خواہ بھلے ہوں یا برے یہ سب حق تعالےٰ کے ارادے اور اس کی قدرت پر موقوف ہیں، اور ان سے اسکا علم قدیم متعلق ہے، نیکی بھلائی سے اسکی رضامندی ضرور متعلق ہوتی ہے اور برائی سے اسکی ناراضی اور بندہ کو حق تعالےٰ نے ایک گونہ اختیار دیا ہے جسکو اختیار جزئی کہتے ہیں، اسی کے باعث افعال خیر پر اسکو دنیوی یا اخروی جزا و سزا ملتی ہے اور وہ اپنے افعال اختیاریہ میں کوئی

معقول عذر پیش نکرسکے گا، اور وہ کسی طرح معذور نہ سمجھا جائیگا۔ اور پروردگار اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، اسلئے یہ اصلاً ممکن نہیں کہ جن افعال کے کرنیں اُنکے ارادے اور اختیار ذاتی کا کچھ لگاؤ نہو انپر وہ بندوں کو سزا دے ۔۔

ان تمام باتوں پر یقین رکھنا اور انکو دل سے سچا جاننا نہایت ضروری ہی کیونکہ اصل شے جو مطلوب شارع علیہ السلام ہے وہ صرف ایمان باللہ وبما جاء من عند اللہ ہی ہے، قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوة ومما رزقنٰھم ینفقون والذین یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك وبالاخرة ھم یوقنون اولئك علےٰ ھدی من ربھم واولئك ھم المفلحون ۔ یعنے وہ لوگ جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قایم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہمنے دیا ہی اسمیں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ اس کتاب پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیگئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل ہوچکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں پس یہ لوگ راہ راست پر ہیں کہ جو ان کے پروردگار کی طرف ملی ہے اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں

(مدارج ایمان)

شارع علیہ السلام نے ایمان کے تین درجے قایم فرمائے ہیں جنکی تفصیل حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (رواہ مسلم) میں اس طرح درج ہے من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہٖ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالك اضعف الایمان تم میں سے جب کبھی کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے کام لیکر اسکو دور کردے، اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اگر اسکی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے اور یہ آخری درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے۔ جو لوگ درجۂ اول کے مومن ہوتے ہیں وہ نہایت خلوص کے ساتھ ٹھیک ان ہی اوامر ونواہی پر استقلال

واستحکام کیساتھ ثابت قدم رہتے ہیں جو خدا اور رسول نے تعلیم فرمائے ہیں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم شریعت الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں چھوڑ گئے ہیں اسکو بعینہٖ محفوظ رکھتے اور اسمیں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے ہیں، جب بدعات اور فتن کا دور آتا ہے اور ایسے بدبخت لوگ پیدا ہوتے ہیں جو شریعت الٰہی سے گمراہ ہو جاتے ہیں انکا فعل انکا عمل ان کے زبانی دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور انکی حرکات وسکنات ایسی ہوتی ہے جن کے لئے شریعت نے حکم نہیں دیا ایسے نازک وقت میں کامل الایمان بندگان الٰہی قیام حق وسنت کے لئے عملی جدوجہد کرتے ہیں جو ایسا نہیں کر سکتے اور صرف زبانی پند ونصیحت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور اپنے آپکو جملہ بدعات وفتن سے محفوظ رکھتے ہیں وہ دوسرے درجہ کے مومنوں میں ہیں جو لوگ جہاد لسانی بھی نہیں کر سکتے اور صرف دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو بدعات وفتن اور اشرار ومفسدین کے خلاف کام میں لاتے ہیں وہ تیسرے درجہ کے مومنوں میں ہیں لیکن یہ ایمان کا آخری درجہ ہوتا ہے اسکے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں،

(خطرۂ ایمان)

دور بدعات وفتن کا ذکر فرماتے ہوئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا تھا یصبح مومنا ویمسی کافرا، لوگ صبح کو مومن ہونگے اور شام کو کافر بنجائینگے، حالات وواقعات شاہد ہیں کہ وہ منحوس وقت موجودہ زمانہ ہی ہے، اللہ ورسول کے احکام پر لوگوں کو یقین کامل نہیں رہا ہے، شریعت اسلام کی پابندی رسماً ورواجاً یا محض برائے نام ہی رہگئی ہے، عاقبت کی فکر اور حصول مغفرت کا شوق دلوں سے معدوم ہو چکا ہے خدا کا خوف اور عبادت کا ذوق مفقود ہے "ایمان" جس کے معنے یقین واثق کے ہیں صبح سے شام تک ہزاروں زبانوں سے قسم کے طور پر ادا ہوتا ہے لاکھوں کتابوں میں لکھا ہے، لیکن دلوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے، لوگ کہتے ہیں ہم کو

خدا و رسول پر ایمان ہے آخرت پر یقین ہے، خدا و رسول کے احکام سچے ہیں، قرآن کریم منزل من اللہ ہے لیکن حالت یہ ہے کہ تعزیرات ہند اور ضابطۂ فوجداری کو سچا سمجھکر زنا بالجبر ڈاکہ زنی، لوٹ مار، تلبیس سکہ وغیرہ جرائم سے قطعًا احتراز کیا جاتا ہے لیکن ہزاروں نمازیں سینکڑوں روزے اور بیشمار حقوق اللہ و حقوق العباد نہایت بیخوفی اور لاپرواہی کیساتھ ترک کئے جاتے ہیں، قانون ٹیکس و مالگزاری کو صحیح سمجھکر میعاد معینہ سے پہلے ہی محاصل و ٹیکس ادا کر دیئے جاتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کا ایک پیسہ بھی ادا کرنا نہایت فضول اور بالکل لغو سمجھا جاتا ہے آگ کی تیزی اور زہر کی تاثیر کو حق سمجھکر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا اور ایک گھونٹ بھی نہیں پیتا، لیکن ہزاروں بیکسوں اور صد ہا یتیموں کے مال بلا تامل ہضم کر لئے جاتے ہیں نہ خدا کا خوف ہوتا ہے نہ عاقبت کا خیال، نہ قرآن کی تعلیم پیش نظر ہوتی ہے نہ حدیث کی تاکید،،

اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا،،

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمیں خدا و رسول پر، قرآن و حدیث پر، عذاب آخرت پر اتنا بھی یقین ہو جائے جتنا کہ تعزیرات و ضابطہ فوجداری پر قانون ٹیکس و مالگزاری پر اور آگ کی تیزی و زہر کی سمیت پر ہے تو یقینًا ہم کبھی خلاف شریعت افعال کا ارتکاب نہیں کر سکتے، نفس کی دھوکہ دہی اور شیطان کی ابلہ فریبی سے انکار نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ جب یقین واثق حاصل ہو جاتا ہے تو پھر نہ کسی دھوکہ دہی چل سکتی ہے نہ ابلہ فریبی کارگر ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ اگر زید آپکو بہکائے اور ورغلائے کہ آگ سے کوئی ضرر نہیں پہونچتا ہے، آپ آتشدان میں ہاتھ ڈالدیجئے اور زہر سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا آپ ایک گلاس پی لیجئے پھر آپ کسطرح طرح کے لالچ بھی دیتا ہے تو کیا آپ ایک لحظہ کیلئے آتشدان میں ہاتھ یا اسکے اندر زہر کا ایک گھونٹ پینے کیلئے آمادہ ہو جائینگے ؟

یقیناً آپ کبھی آمادہ نہیں ہونگے اور اسکی وجہ صرف یہی ہو کہ آپ کو یقین کامل ہو کہ آگ کا کام جلانا اور زہر کا اثر ہلاکت ہو فتدبروا یا اولی الابصار،،

شارع علیہ السلام نے دور "فتن وبدعات" کے متعلق بہت سی پیشینگوئیاں فرمائی ہیں، انہیں سے بعض یہ ہیں،

(۱) ان الدین بدء غریباً وسیعود غریبا کما بدء فطوبی للغرباء وھم الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی (رواہ ترمذی)

دین کی ابتداء غربت سے ہوئی اور قریب ہو کہ پھر اسی کی طرف پلٹ آئے، پس کیا ہی مبارکی ہے، غریبوں کیلئے یہی لوگ ہیں جو ان خرابیوں کو دور کردینگے جو لوگوں نے میری بعد میری سنت میں پیدا کردی ہونگی، احمد وطبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہو طوبی للغربا قلنا وما الغرباء؟ قال قوم صالحون قلیل فی ناس سوء کثیر من یعصیھم اکثر ممن یطیعھم یعنے فرمایا مبارکی ہے "غربا" کیلئے ہم نے پوچھا غربا کون ہیں؟ کہا صالحوں کی ایک جماعت برے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے،،

(۲) ان ربی قال لی اذا قضیت قضاء فانہ لا یرد انی اعطیتک لا متک ان لا اھلکھا بسنۃ عامۃ وان لا اسلط علیھم عدواً من سوی انفسھم فیستبیح بیضتھم ولو اجتمع علیھم باقطارھا حتی یکون بعضھم یھلک بعضا ویسبی بعضھم بعضا وانما اخاف علی امتی الائمۃ المضلین واذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنھا الی یوم القیامۃ ولا تقوم الساعۃ حتے یلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتی الاوثان وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین ولا تزال طائفۃ من امتی علے الحق (او قال ظاھرین علے الحق) لا

یضرھم من خالفھم حتے یاتی امر اللہ (رواہ مسلم و ابوداؤد)
یعنے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی امت کے لئے دعا کی تھی کہ خود اون کے سوا ان پر اور کوئی دشمن مسلط نہو اور کوئی ایسی عام ہلاکت نہ چھائے کہ قوم ھلاک ہوجائے، تو اللہ تعالے نے فرمایا ایسا ہی ہوگا تیری امت پر کبھی ایسی عام ہلاکت نہ آئیگی اور نہ ان پر کوئی دشمن اس طرح مسلط ہوگا کہ انکی بیخ و بنیاد اکھاڑ ڈالے الا یہ کہ خود بھی اپنے دشمن ہوں گے، اور خود ہی اپنے آپکو دشمنوں کی طرح تباہ کرینگے (و ذالک لکثرۃ اختلافھم و تفرقھم و تمذھبھم) اور آپنے فرمایا مجھکو بڑا خوف گمراہ کرنیوالے پیشواؤں سے ہے اور جب ایکمرتبہ میری امت میں باہمی خونریزی شروع ہوگئی تو پھر قیامت تک نہ رکیگی، پھر فرمایا ایسا ہوگا کہ میری امت میں سے کئی گروہ مشرکوں سے جا ملیں گے اور ایسا ہوگا کہ کئی گروہ بتوں کو پوجیں گے اور ضرور ہے کہ تیس جھوٹے مدعی نبوۃ کے پیدا ہوں گے، حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، آخر میں فرمایا ایں ہمہ ایک جماعت اس امت میں ہمیشہ حق پر باقی رہیگی، مخالفین حق اسکو نقصان نہ پہونچا سکینگے یہانتک کہ امر الٰہی ظاہر ہو

(۳) لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو القذہ بالقذۃ (او حذو النعل بالنعل) حتے لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ قالوا الیھود والنصارٰی؟ قال فمن" تم سے پہلے جو قومیں گذر چکی ہیں ضرور ہے کہ تم ان کے طریقوں کی پیروی کروگے یعنے انکی ساری گمراہیاں اختیار کرلوگے۔ صحابہ نے کہا کیا یہود و نصارے کی؟ فرمایا ہاں اور کون"

(۴) فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل فیھا مومنا و یمسی کافرًا (رواہ ترمذی و ابوداؤد)

آخری زمانہ میں فتنے ہیں ایسے جیسے اندھیری رات کی تاریکی صبح کو ایک آدمی مومن

ہوگا، شام کو کافر ہو جائیگا ایمان میں ثبات و استقامت باقی نہ رہیگی یہ پیشینگوئی "مسلم" میں اس طرح پر ہے، یمسی مومنا و یصبح کافرا یبیع دینه بعرض من الدنیا، رات کو ایک آدمی مومن سوئیگا صبح اٹھیگا تو کفر میں مبتلا ہو جائیگا، اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالیگا"

(۵) یوشك ان تتداعی علیکم کما تتداعی الاکلة الی قصعتها قال قائل من قلة نحن یومئذ؟ قال لا بل انتم یومئذ کثیر و لکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن الله من صدور عدوکم المهابة منکم و لیقذفن فی قلوبکم الوهن قیل وما الوهن۔؟ قال حب الدنیا وکراهیة الموت

(اخرجه ابوداؤد)

ایسا ہوگا کہ دنیا کی قومیں تم سے لڑنے کے لئے اکٹھی ہو جائینگی، اور ایک دوسرے کو اسطرح بلائینگی جیسے بھوکے ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یہ اسلئے ہوگا کہ ہم اسوقت تھوڑے ہوں گے اور دشمن بہت، فرمایا نہیں مسلمان تو اسوقت بہت ہونگے مگر ایسے ہو جائیں گے جب دریا کے بہاؤ پر کوڑا کرکٹ جسطرف یہ رہا ہو بہہ جائیگا، تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکلجائیگی "تذهب ریحکم" اور تمہارے دلوں میں وھن پیدا ہو جائیگا کسی نے پوچھا وھن کیا ہے؟ فرمایا دنیا کا عشق اور راہ حق میں موت کو ناخوش جاننا اور اس سے بھاگنا (۶) ان من کان قبلکم من اهل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملة وان هذه الامة ستفترق علی ثلاث و سبعین فرقة (رواه ترمذی و ابوداؤد)

یہود و نصاریٰ ٹوٹ پھوٹ کر بہتر فرقے ہوگئے تھے، یہ امت بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی"

(۷) لا یذهب اللیل والنهار حتی تعبد اللات والعزی قلت ان کنت لاظن حین انزل لیظهره علی الدین کله ان ذلک تام؟ قال انه سیکون من

ذٰلک ما شاء اللّٰہ (رواہ مسلم و بخاری) قیامت نہیں آئیگی یہانتک کہ پھر لات اور عزیٰ کی پوجا ہو حضرت عائشہ ؓ نے کہا جب یہ آیت اتری کہ لیظہرہ علی الدین کلہ" دین توحید اس لئے آیا کہ سارے دینوں پر غالب آئے۔) تو میں نے خیال کیا تھا کہ اب دین توحید ہی آخر تک رہیگا، پھر یہ بات کیونکر ہوگی؟ فرمایا ہاں یہ رہیگا جبتک اللہ چاہیگا"

(۸) اذا کانت امرائکم خیارکم و اغنیاؤکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنہا و اذا کانت امراؤکم شرارکم و اغنیاؤکم بخلاءکم و امورکم الی نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظہرھا۔ (رواہ ترمذی)

جب تک تم میں سے بہتر اور نیک لوگ تمہارے امیر ہونگے، اور تمہارے مالدار سخی اور تمہارے معاملات باہم مشورے سے انجام پائینگے تو زمین کا ظاہر تمہارے لئے بہتر ہوگا اسکے باطن سے یعنے دنیا میں رہنا تمہارے لئے عزت و کامیابی کا موجب ہوگا لیکن جب ایسا ہو کہ تمہارے امیر بدترین لوگ ہوں تمہارے مالدار بخیل ہو جائیں اور تمہارے معاملات میں عورتیں دخیل ہو جائیں تو پھر زمین کا باطن تمہارے لئے زیادہ اچھا ہوگا، بمقابلہ اسکی سطح کے یعنے زندگی میں عزت باقی نہ رہیگی مرجانا ہی بہتر ہوگا"

(۹) کیف بکم اذا فسق فتیانکم و طغیٰ نساؤکم؟ قالوا وان ذٰلک لکائن؟ قال نعم واشد۔ کیف انتم اذا لم تامروا بالمعروف و لم تنہوا عن المنکر؟ قالوا وان ذالک لکائن؟ قال نعم اشد کیف انتم اذا امرتم بالمنکر نہیتم عن المعروف؟ قالوا وان ذالک لکائن؟ قال نعم واشد کیف انتم اذا رأیتم منکراً والمنکر معروف؟ قالوا وان ذالک لکائن قال نعم۔

کیا حال ہوگا تمہارا جب تمہاری لڑکیاں مبتلائے فسق ہوں اور تمہاری عورتیں سرکش لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات ہونیوالی ہے فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی سخت، کیا حال ہوگا تمہارا جب تم بھلائی کا حکم نہ دوگے اور برائی سے نہ روکوگے لوگوں نے کہا کیا ایسا بھی ہونیوالا ہے؟ فرمایا ہاں

بلکہ اس سے بھی سخت، کیا حال ہوگا اسوقت جبکہ تم برائی کا حکم دوگے اور حق کو روکوگے! عرض کیا گیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیا حال ہوگا اسوقت جبکہ تم نیک بات کو برا سمجھوگے اور برائی کو اچھا؟ عرض کیا گیا یہ بھی ہوگا؟ فرمایا ہاں"

(۱۰) قوم یستنون بغیر سنتی ویھتدون بغیر ھدیی، تعرف منھم وتنکر، میری سنت چھوڑ کر اوروں کے طریق پر چلینگے میری ہدایت سے ہٹکر دوسروں کی چال اختیار کرینگے، کچھ عادتیں انکی اچھی پاؤگے کچھ بری۔ پھر پوچھا گیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ فرمایا ہاں دعاۃ علی ابواب جھنم، دوزخ کی طرف بلانیوالے ہوں گے، آخر میں فرمایا کہ راہ سلامتی کی اسوقت یہ ہوگی کہ جماعت اور امام کا ساتھ دو، اور جب وہ وقت آجائے کہ جماعت بھی باقی نہ رہے اور مختلف فرقوں اور مذہبوں میں مسلمان بٹ جائیں تو فاعتزل تلک الفرق کلھا ولو ان تعض باصل شجرۃ حتی یدرکک الموت وانت علی ذلک ان تمام فرقوں سے الگ ہوکر رہو یعنی صرف دین خالص کے ہوکر رہو اگرچہ ایسا کرنے میں تمہاری عزت اور بیکسی کا یہ حال ہو جائے کہ درخت کی جڑ چبا کر وقت کاٹنا پڑے پھر بھی اُنسے الگ ہی رہو یہانتک کہ موت آجائے (اخرجہ الشیخین)

(۱۱) وان ھذہ امتکم جعل عافیتھا فی اولھا وسیصیب آخرھا بلاء وامور تنکرونھا، فتجیئ فتنۃ فیزلق بعضھا بعضا فیقول المومن ھذہ مھلکتی ثم تنکشف وتجیئ فتنۃ فیقول المومن ھذہ ھذہ!

اس امت کی ابتدا میں عافیت ہے اور آخری عہدوں میں مصیبتیں اور برائیاں ایسا ہوگا کہ ایک فتنہ آئیگا اور مومن کہیگا کہ اسمیں میرے لئے ہلاکت ہے لیکن جب وہ دور جائیگا اور دوسرا فتنہ شروع ہوگا تو پچھلے فتنے کو بھلا دیگا اور مومن پکار اٹھیگا کہ فتنہ تو یہ ہے۔ فتنہ تو یہ ہے (رواہ مسلم)

(۱۲) فیخرج قوم فی آخر الزمان حدثاء الاسنان اسفھاء الاحلام یقولون

من خیر قول البریہ، یقرءون القرآن، لایجاوز ایمانہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیہ"

آخری زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی نوخیز اور ناقص العقل لوگوں کی بظاہر انکی باتیں بڑی ہی اچھے لوگوں کی سی ہونگی، قرآن پڑھینگے مگر ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ اتریگا دین سے اس طرح نکلجائینگے جس طرح تیر شکار پر سے نکلجاتا ہے یعنے گو اپنے تئیں مسلمان سمجھیں گے لیکن ان میں اسلام نہوگا (اخرجہ النسائی)۔

ارباب عقل و فہم غور فرمائیں کہ ان پیشنگوئیوں میں سے کون کون سی باتیں معرض ظہور میں آچکی ہیں اور باقی کیا رہگیا ہے ؟

واقعات شاہد ہیں کہ ان ساری باتوں میں سے ایک ایک بات پوری ہوچکی اور کوئی بات باقی نہیں رہی ہے، لوگوں کو ناحق انتظار ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ جسمیں یہ پیشنگوئیاں پوری ہونگی، اگر عقل و بصیرت سے کام لیاجائے تو یہ مغالطہ بہت جلد دور ہوسکتا ہے، درحقیقت یہی وہ زمانہ ہے جسکی نسبت مخبر صادق علیہ السلام نے بالقائے ربانی یہ پیشنگوئیاں فرمائی تھیں، اللھم ثبت اقدامنا علی صراط مستقیم

صاحب شرح السنۃ لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ایک موقعہ پر مسلمانوں کی جماعت کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ یعنے تم میں سے اسوقت تک کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکی خواہشات اس چیز کے تابع نہوں جسکو میں لایا ہوں یعنے دین حق اور شریعت اسلام۔ پھر ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین تم میں سے اسوقت تک کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوتا جب تک کہ میں اسکو اسکے ماں باپ اور اسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوجاؤں (صحاح ستہ)۔

مدعیان ایمان اپنے افعال و اعمال سے اندازہ لگائیں کہ انمیں کسدرجہ ایمان ہے اگر احتساب عمل کرنے پر وہ اپنے قلوب "ایمان کامل" کی روشنی سے تاریک پاتے ہیں تو انکی حالت قابل افسوس ہے اور پھر ان کے لئے حصول سعادت و مغفرت کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ تکمیل ایمان کریں اور استقامت علےٰ صراط مستقیم کی توفیق چاہیں واللہ الموفق وبہ نستعین،،

دنیا و آخرت کی سب سے بڑی کامیابی اور سب سے زیادہ بہبودی صرف یہی ہوسکتی ہے کہ ایمان کامل حاصل ہوجائے اور زندگی کے آخری لمحہ تک سلامت رہے وعد اللہ المومنین والمومنات جنات تجری من تحتہا الانہار خلدین فیہا ومسکن طیبۃ فی جنات عدن ورضوان من اللہ اکبر ذالک ھو الفوز العظیم

"وعملوا الصّٰلحت"

حق تعالےٰ جل مجدہٗ نے ایمان والوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وعملوا الصّٰلحت اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ "ایمان" کے بعد "عمل صالح" کا ذکر فرمانے سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ "ایمان" کے ساتھ نیک عمل کا ہونا بھی لازمی اور ضروری ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ستر جگہ سے زیادہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر فرمایا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ بغیر عمل صالح کے ایمان ناقص رہتا ہے، "عمل صالح" کی تعریف صاحب مطلع الانوار" نے یہ کی ہے کہ وہ کام جو خالصاً لوجہ اللہ تعالےٰ انجام دیا جائے،

عارفان حقیقت نے تین عمل سب سے مقدم فرمائے ہیں اول خلوص نیّت، دوم کسب حلال، سوم صدق مقال، ان تین منازل کو طے کئے بغیر کوئی شخص "حزب الصالحین" میں داخل نہیں ہوسکتا،،

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں "صالحین" کی نو صفتیں سورۂ توبہ میں ظاہر کی ہیں التائبون، العابدون

الحامدون، السائحون، الراکعون، الساجدون، الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر، والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین ۰

تائبون، توبہ کرنے والے یعنے خطاؤں پر اظہار ندامت اور گناہوں سے احتراز کرنے کا عہد کرنیوالے،

عابدون، اللہ تعالٰے کے احکام کی پیروی اور عبادات و ریاضات کرنیوالے،،

حامدون، حق تعالٰے کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کرنیوالے،،

سائحون، راہ خدا میں سفر کرنے والے مثلاً حج کے لئے یا جہاد کیلئے،،

راکعون، ارشادات الٰہیہ پر سر تسلیم خم کرنے والے اور رضاجوئی کرنیوالے،،

ساجدون، نمازیں پڑھنے والے اور سجود شکر ادا کرنیوالے،،

امرون بالمعروف، بھلائی اور نیکی کا حکم دینے والے،،

ناھون عن المنکر، بری باتوں سے منع کرنیوالے،،

حافظون لحدود اللہ، اللہ تعالٰے کی قائم کی ہوئی حدود اور قیود کو نگاہ رکھنیوالے

ایسے لوگوں کے لئے ارشاد ہے وبشر المومنین اور ان ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری سنادو،،

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں من مات علٰی ھذا النسع فھو فی سبیل اللہ ومن مات وفیہ تسع فھو شھید یعنے جو شخص ان نو اعمال صالحہ پر مرتے دم تک قائم رہا وہ راہ سبیل اللہ ہے، اور جس نے ایسی حالت میں انتقال کیا پس وہ شہید ہے،،

رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا لعن اللہ علی عمل عند لم یحمد نفسہ کفر وحبط عملہ جس نے عمل صالح پر اللہ کا شکر نہ کیا اور اپنے نفس کی تعریف کی پس کفران نعمت کیا اسنے اور باطل ہوا عمل اس کا ، لیکن یہ معنے ہیں کہ

اعمال صالحہ کی جزاء اور قبولیت بھی اس کے فضل پر مشتمل ہے بطریق استحقاق سمجھنا غلطی ہے، ذالك هو الفوز الكبير۔

سقوط عمل کسیکے لئے جائز نہیں

شریعت اسلام نے ہر مسلمان کو اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ اختیار کرنیکی تعلیم دی ہے اور صرف ایمان و عمل کو ہی ذریعہ نجات آخرت تبلایا ہے کوئی بالغ اور سمجھدار مسلمان بلا عذر شرعی کے احکام اسلام اور حدود الٰہیہ سے کبھی مستثنےٰ نہیں ہو سکتا، ومن عمل صالحا من ذكرا وانثیٰ وهو مومن فاولئک يدخلون الجنة يرزقون فيها بغير حساب " سید المشائخ قدوۃ الاولیا حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مجلس "مناصحت" میں ایک شخص عراقی نے کہا کیا کبھی سالک کے لئے سقوط عمل بھی ہوتا ہے ؟ حضرت سید المشائخ نے ارشاد فرمایا عیاذاً باللہ! ایسا ذکر ہماری مجلس میں زناکاری اور شراب خواری سے بھی بدتر ہے"

پھر کس درجہ بدبخت ہیں وہ مدعیان تصوف بطرح طرح کی ابلہ فریبیوں اور ہر زہ سرائیوں کے ذریعہ حدود الٰہیہ سے مستثنےٰ اور امور شرعیہ سے مستغنی ہونا چاہتے ہیں فیاحسرتا فیا للعجب ا ـ

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است ؎

عارفان حقیقت فرماتے ہیں "علم" "نیت" "صبر" اور "اخلاص" کی منازل طے کئے بغیر کوئی شخص فلاح آخرت حاصل نہیں کر سکتا اور مدارج شریعت و حدود اسلام کو نگاہ رکھے بغیر تصوف و احسان کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا، کما قال اللہ تعالےٰ

فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحا

رب الارباب جل مجدہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے كلوا من الطيبات واعملوا صالحا

پاک غذائیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، طعام طیب سے مراد "اکل حلال" اور عمل صالح سے مطلب عمل خالص ہے جو شخص حرام و حلال کی پرواہ نہیں کرتا اسکا کوئی عمل مقبول نہیں، قال النبی صلعم یاتی علے الناس زمان لا یبالی المرء ما اخذ من من الحلال ام من الحرام (رواہ البخاری)

لوگوں پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ حرام و حلال تک کی پرواہ نہیں کیجائیگی"

صاحب "غایۃ الاوطار" نے کسب حلال کے دس ذرائع تبلائے ہیں،

(۱) تجارت بشرط صدق اور نیک نیتی (۲) اُجرت بشرط پابندی و خیرخواہی (۳) زراعت زمین غیر مغصوبہ میں (۴) تحائف منجانب مسلمان متقی، (۵) وراثت جائز طریق پر (۶) خمس مال غنیمت (۷) شکار خشکی (۸) شکار دریائی (۹) سوال کرنا باشد ضرورت (۱۰) کاشت زمین ویران میں"

اگر مدعیان تصوف ان امور کا لحاظ نہیں رکھتے اور طریقت کو شریعت سے مختلف ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ حدود الٰہیہ کی پابندی انپر عاید نہو تو یقیناً ایسے لوگ اعلےٰ درجہ کے کاذب، فاسق، فاجر اور اخوان الشیاطین ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

حجۃ الاسلام علامہ ابن قیم راہ حق، جادۂ اعتدال اور عمل صالح کے متعلق بحث فرماتے ہوئے "اعلام" میں لکھتے ہیں کہ سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ ہر حالت میں کتاب وسنت اور نصوص شرعیہ پر عامل رہے، تمام ائمہ اسلام اور علمائے حق سے حسن ظن اور محبت وارادت رکھے، ان کے مراتب و حقوق کی رعایت سے کبھی غافل نہو، یہی وہ باتیں ہیں جنکو ملحوظ نہ رکھنے سے ساری مصیبتیں پیش آتی ہیں"

بعض گندم نما جو فروش ارباب تصوف یہ ستم ظریفی کرتے ہیں کہ احکام الٰہیہ

و رشادات نبوی کے مقابلہ میں اپنے غیر معصوم پیشواؤں کے "اقوال" استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں - اور یہ چاہتے ہیں کہ وحی الٰہی و صاحب وحی کی نص کو اسکی جگہ سے ہٹا کر خود ساختہ دلیل کو حجت قاہرہ ثابت کریں تاکہ تمام شرعی پابندیوں سے آزادی حاصل ہو جائے اور نفس پرستی کا موقع ملجائے والذی نفس بیدہ کہ اس سے بڑھکر کوئی گمراہی نہیں ہو سکتی،

اعمال صالحہ کی تفصیل

پہلا عمل صالح خلوص نیت ہے پھر کسب حلال، پھر صدق مقال اطاعت الٰہی، اتباع سنت انہماک عبادات و ریاضات تکمیل فرائض و واجبات اعلائے کلمۃ الحق، نشر توحید، حمایت سنت خیرات و صدقات ذکر و اذکار، تلاوت کلام اللہ، طلب علم دین، احسان بالوالدین، احسان بالاولاد، لحاظ حقوق العباد، احسان بالیتیم، خدمت بیکسان، اکرام مہمان و مسافر، الحب للہ والبغض للہ، سلام و مصافحہ، خوش اخلاقی، عیب پوشی، خاموشی، فروتنی، دیانتداری ایفائے عہد، عدل و انصاف، شرم و حیاء، زہد و قناعت، توکل علی اللہ، صبر و شکر، توبہ و استغفار، خوف و رجا، اجتناب صغائر و کبائر باقیات صالحات، محاسبہ و مراقبہ، تفکر تعقل

فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت فیدخلھم فی رحمتہ ذالک ھو الفوز المبین۔

چونکہ ایمان والے ہیں اور کام بھی نیک کئے ہیں رب العزت انکو اپنی رحمت میں لے لیگا اور یہی تو کھلی ہوئی کامیابی ہے "

"وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر"

صالحین کے ذکر کے بعد سب الارباب جل مجدہ نے ارشاد فرمایا "وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر" (اور جو ایک دوسرے کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ دین حق کی وصیت کرتے رہے اور نیز صبر و استقامت کی بھی انہوں نے تعلیم دی) محققین کے نزدیک

حق سے مراد توحید رسالت، قرآن، اور جمیع اعتقادات اسلامیہ ہیں اور صبر کے معنی برداشت تحمل، استقلال اور استقامت ہیں، پس جن لوگوں نے اعلائے کلمۃ الحق نشر توحید حمایت رسالت، تبلیغ قرآن اور اشاعت عقاید اسلامیہ میں سرگرمی و مستعدی کیساتھ حصہ لیا اور اس راستہ میں ہر قسم کی مشکلات طرح طرح کی مصیبتوں کو برداشت کیا اور ایک لمحہ کے لئے بھی افسردگی و مایوسی کا خیال نہ کیا وہی خوش نصیب کامیاب اور فائز المرام ہیں۔

اولئک ھم المفلحون ۵

جمہور مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قوانین الٰہیہ پر ایمان لاتے اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کے بعد حق اور صبر کی نصیحت کرنا ہی کمال عبادت ہی جسے دوسرے لفظوں میں صراط مستقیم پر قایم رہنے سے تعبیر کیا جاتا ہی وَالمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض ہ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (سورہ توبہ رکوع ۹)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اچھی بات سکھلاتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں،، وانّ ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ

اعلائے کلمۃ الحق اور استقامت و صبر کی ایک بین مثال واقعہ شہادت امام المتقین سید الصابرین حضرت شہید راہ حق "حسین" علیہ السلام ہے کہ باوجود مادی طاقت و قوت حاصل نہونے کے زندگی کے آخری لمحہ تک حمایت صداقت و وصیت حق اور مدافعت باطل سے منہ نہ پھیرا اور اس تبلیغ صداقت و حمایت حق کے راستہ میں جسقدر مظالم و مجابر نازل ہوئے جتنی مشکلیں اور مصیبتیں پڑیں نہایت ثابتقدمی کیساتھ اون کو برداشت کیا، حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس واقعہ کی اہمیت اور اور سید الصابرین کی استقامت کو اپنی ایک رباعی میں ظاہر فرمایا ہے ؎

شاہ است حسین شہنشاہ ہست حسین ؛ دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

حلقہ بگوشان اسلام اگر حقیقی معنوں میں ارباب و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو اعلائے حق میں مصروف ہو جائیں اس راستہ میں جس قدر مشکلات پیش آئیں انکو برداشت کریں اور صابر و شاکر رہیں "الصبر وصیۃ اللہ فی الارض" واللہ یحب الصابرین

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب

السعی منی والاتمام من اللہ

رب العزت جل مجدہٗ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اس حقیر فقیر کو ایک امر خیر کی توفیق مرحمت فرمائی، اور سورۂ "والعصر" کی تفسیر بعض حقائق و معارف کے اظہار کیساتھ تکمیل کو پہونچی۔

حق سبحانہ تعالیٰ بہ تصدق رحمۃ اللعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسکو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور مسلمانوں کو مستفید فرمائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ایک بندۂ حقیر کے ارادے کی تائید فرمائی تو انشاء اللہ المستعان عنقریب "تعلیم الاسلام" کے نام سے ایک نہایت جامع اور حاوی کتاب شایع کرونگا جس میں تمام دینی و دنیوی امور کے متعلق احکام قرآنی صراحت و وضاحت کے ساتھ درج ہونگے تاکہ مسلمان کتاب اللہ سے واقفیت تامہ حاصل کریں اور اپنے خالق و مالک عزاسمہٗ کے ارشادات سے بے بہرہ نہ رہیں۔ باللہ التوفیق ؏

عبدہ المذنب

محمد زاھد القادری عفا اللہ عنہ